عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

طلوعِ اسلام

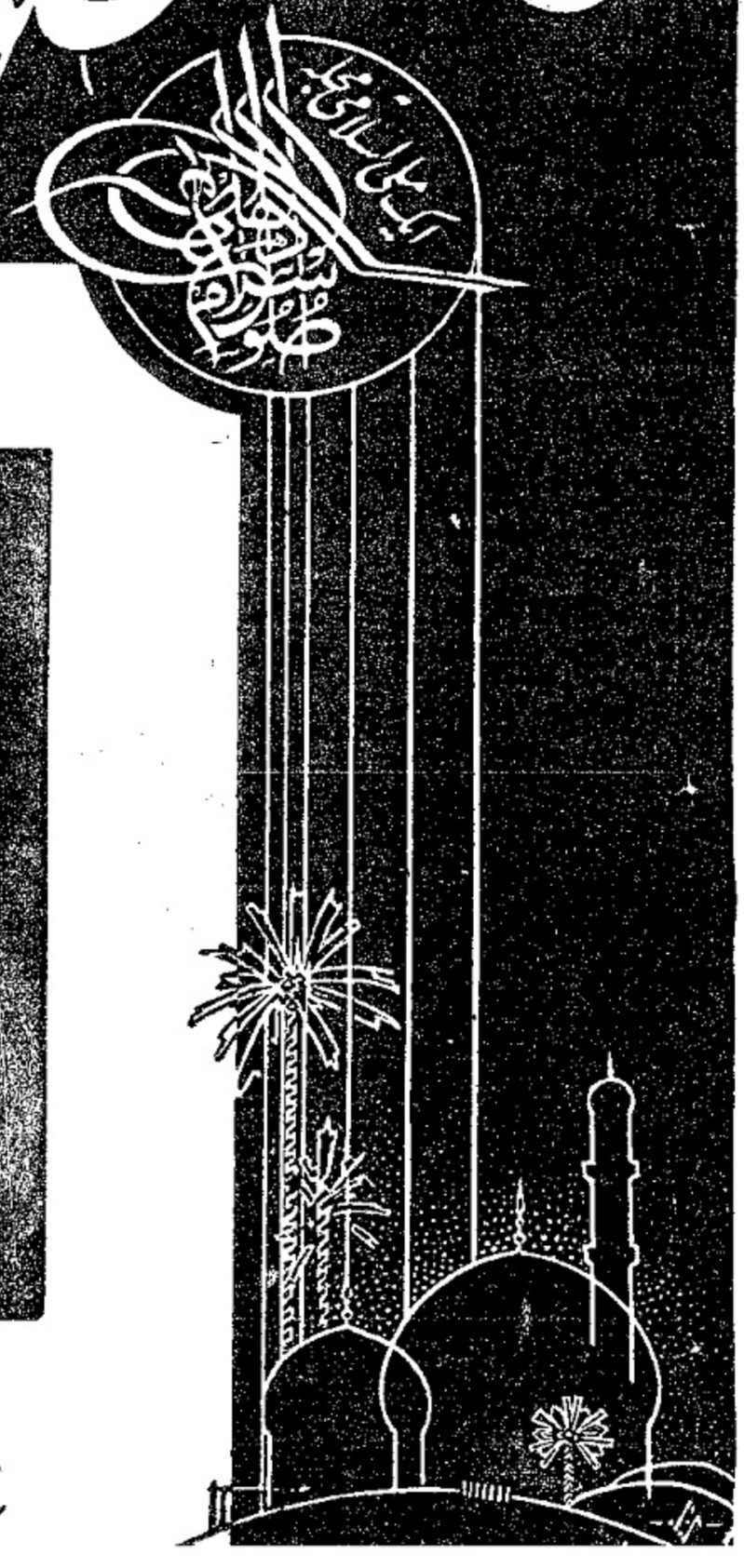

مارچ ۱۹۳۲ء

یادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا
ماہوار مجلہ

طلوعِ اسلام

دہلی

دورِ جدید

بدلِ اشتراک		مرتب
پانچ روپیہ سالانہ	سالانہ	اخوندزادہ حسین امام
تین روپے	ششماہی	
آٹھ آنے ۸؍	فی پرچہ	جلد (۵) شمارہ (۳)

صفر المظفر ۱۳۶۱ھ مطابق مارچ ۱۹۴۲ء

فہرستِ مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
لمعات	ادارہ	۱ – ۱۱
جامع مسجد دہلی	جناب اسد ملتانی	۱۲
حقائق و عبر	ادارہ	۱۳ – ۱۶
یوں نہ سہی یوں سہی	ادارہ	۱۷ – ۲۴
عبادت	جناب ضیاء الدین صاحب	۲۵ – ۴۲
عمل الصالحات یا عمل الصالح	جناب مشتاق احمد افغان فاضل دیوبند	۴۳ – ۵۵
عذاب النار	ادارہ	۵۶ – ۶۴

لمعات

زندگی ایک جوئے رواں ہے جب تک آگے بڑھتی جائے اس وقت تک ندی۔ ندی ہے۔ جب کہیں ٹھہر جائے تو ندی نہیں۔ جوہڑ یا تالاب ہے۔ اور جب ایک مقام پر رک جانے سے پانی بھی خشک ہو جائے تو پھر خالی گڑھا ہے۔ نظریہ ارتقاء کے ماتحت حقیقی زندگی اس وقت ہے جب کوئی قوم آگے بڑھتی جا رہی ہو۔ اس آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے سامنے بلند نصب العین اور درخشندہ اصولِ حیات ہوں اور وہ قوم اپنے ماحول کو ان اصولوں سے سازگار بنائے۔ اگر ایسا نہیں تو تنزلاً فقط جینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان زمانہ کے ساتھ ساتھ رہے اور جوں جوں ماحول میں تغیرات آتے جائیں ان کے مطابق اپنے اندر سازگاریت (ABAPTABILITY) پیدا کرتا جائے اگر ایسا نہ کرے گا تو آگے بڑھنا تو ایک طرف۔ اپنے مقام پر بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔ مغرب نے یہی غلطی کی اور وہ آج اس کا خمیازہ بری طرح سے بھگت رہے ہیں۔ شرفِ انسانیت کے ترفع اور ارتقاء کے لئے تو ان کے پاس کوئی اصولِ حیات تھے ہی نہیں اس لئے وہ اس میدان میں آگے بڑھ ہی نہیں سکتے تھے۔ اپنی طبعی زندگی میں بھی انہوں نے یہ غلطی کی کہ اپنے تمدن اور عمرانیت کو زمانہ کے برق رفتار تغیرات کے ساتھ ساتھ نہ بدلا مثلاً گذشتہ بیس برس میں تار برقی لاسلکی ٹیلیفون۔ ریڈیو یا موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ ایجادات سے زماں و مکان کے تصورات بدل گئے۔ فاصلہ کوئی شے ہی نہ رہا۔ ایک طرف تو یہاں تک ترقی ہوئی اور دوسری طرف نظام اجتماعی کا یہ عالم کہ اقوام و ممالک اور حکومتیں اور سلطنتیں اپنی چھوٹی چھوٹی دیواروں کے اندر محبوس رہیں جو کبھی ازمنۂ قدیم میں اس وقت متعین کی گئی تھیں جب فاصلہ انسانوں کی تقسیم کا بہت بڑا معیار تھا۔ یہ دو متضاد اقدار تصادم کے بغیر کس طرح سے رہ سکتی تھیں نتیجہ ظاہر ہے۔ یا یہ کہ مشینوں کی ایجاد سے انسانی ضروریات کے لئے بہت کم مزدوروں اور کاریگروں کی ضرورت باقی رہ گئی۔ اور اس طرح کام کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد بیکار بیٹھ گئی۔ اس کے دوسری طرف سرمایہ داری اور زمین پر جاگیرداری کی ملکیت کا وہی کہنہ نظام مسلط رہا۔ ان کا ٹکراؤ بھی ضروری تھا۔ موجودہ جنگ دراصل انہی متضاد تصورات کے باہمی تصادم کا نتیجہ ہے اور دنیا میں امن کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ جب تک انسان اپنے ان دورِ جاہلیت کے تصورات کے بجائے عالمگیریت کے تصور پر نظامِ اجتماعیہ کی بنیاد نہیں رکھے گا۔ جب قرآن کریم نے کہا تھا کہ خدا رب العلمین (تمام اقوام عالم کا پروردگار) قرآن ذکر للعلمین (تمام دنیا جہان کے لئے نصاب زندگی اور قانونِ حیات) اور نبی اکرمؐ رحمت للعلمین اور کافۃ

للناس (تمام نوع انسان کے لئے رسول) ہیں۔ تو عالمگیریت کا تصور بالعموم انسان کے ذہن میں نہیں آتا تھا۔ آج ایک دنیا چلا رہی ہے کہ عمرانیت کی موجودہ حدود و ثغور کو مٹا کر حدود و فراموش عالمگیریت کا تصور پیدا کرنا چاہیئے برطانیہ کے مشہور مفکر و مؤرخ مسٹر ایچ جی۔ ویلز نے ابھی اگلے دنوں سائنس کانفرنس میں ایک مقالہ پڑھتے ہوئے کہا۔

"بعد مکانی جو دنیا کی الگ الگ حکومتوں کے لئے وجہ جواز تھا۔ اب ختم ہو چکا ہے۔ اب ان حکومتوں کی حدود ایک دوسرے کے اوپر چھا چکی ہیں ..... تمام نوع انسانی اب ایک ملت واحدہ بن چکی ہے ۱۹۰۰ء میں یہ ناممکن تھا کہ تمام دنیا کے معاملات کو ایک نظام امن کی شکل میں منضبط کیا جا سکتا۔ اس وقت ایک حکومت صرف ایک خاص رقبہ میں ہی نظم و نسق قائم رکھ سکتی تھی۔ عالمگیر نظام قائم نہیں رکھ سکتی تھی اب بعد مکانی کے ناپید ہو جانے سے ایک عالمگیر نظام نہ صرف ممکن العمل ہی ہو چکا ہے بلکہ موجودہ جنگ اور اس کے لوازمات کے پیش نظر اس کی ضرورت بھی اشد ہو چکی ہے"

غور فرمائیے کہ دنیا اب تھک تھکا کر وہیں پہنچ رہی ہے جہاں پہونچانے کے لئے قرآن روز اول سے دعوت دے رہا تھا اس نے دنیا کے سامنے یہ تصور پیش کیا کہ کان الناس امۃ واحدۃ۔ تمام نوع انسانی ایک ملت واحدہ ہیں۔ اور اس کا نظام حق و عدل بھی اسی حقیقت ثابتہ کی بنیادوں پر قائم کرنا چاہیئے۔ لیکن یورپ نے اس پر کان نہ دھرا اور حقیقت سے انکار کا جو نتیجہ ہوا کرتا ہے وہ سامنے آ کر رہا۔ اب وہی یورپ چلا چلا کر کہہ رہا ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ "تمام نوع انسانی ایک ملت واحدہ بن چکی ہے"۔ اگر اس عالمگیر فساد اور بگاڑ کے بعد بھی انسان اس نظام فطرت پر کاربند ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ مادر گیتی کی گود میں ایک ایسا حسین و جمیل بچہ مسکراتا دکھائی دے گا جو نوع انسانی کی نجات کا ذمہ دار اور ان کی خوش بختی و فرخندہ اطواری کا ضامن ہوگا۔

یہ حالت تو اہل مغرب کی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی کیا حالت ہے جن کے پاس محکم و تابناک کتاب زندگی موجود تھی؟ باقی خطۂ ارض کے مسلمانوں کو چھوڑیئے خود اپنی آنکھوں کے سامنے ہندوستان کو دیکھئے حالت یہ ہے کہ خطرہ گھر کی دہلیز تک آ پہونچا ہے۔ آگ صحن خانہ میں بھڑک رہی ہے۔ سیلاب دیواریں پھاند کر اندر

پہونچ رہا ہے اور صاحب خانہ ہیں کہ مسہریاں لگائے چادر تانے سو رہے ہیں۔ کس قدر عبرت انگیز ہے یہ تماشہ اور کیسا تاسف انگیز ہے یہ منظر۔ دنیا کی اتنی بڑی قوم اس بے بسی کے عالم میں شاید ہی کہیں اور اس طرح برباد ہوئی ہو۔

ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

بایں ہمہ فرصت کی ان گھڑیوں اور مہلت کے ان لمحات میں جب کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زمانہ کی انقلاب آفرینی سے کل کیا ہونے والا ہے۔ ہم اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک مرتبہ اس حقیقت کو پھر دہرا دینا چاہتے ہیں جسے

بارہا گفتہ ام و بار دگر مے گویم

کہ ہندی مسلمانوں کی زندگی بتوفیق ایزدی جناح اور مشرقی کی سپردگی میں ہے کہ ایک کی انگلیاں نبض زمانہ پر اور دوسرے کی نگاہیں حقائق قرآنی پر ہیں۔ ایک پر زمانہ کے مشاہدات و تغیرات نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ

اس دور میں سب مٹ جائیں گے۔ ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

اور دوسرے کو تدبر فی القرآن نے اس سنۃ اللہ سے آگاہ کر دیا ہے کہ

وحرام علیٰ قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون ۝

اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اس کا پھر ابھرنا محال ہے۔

ان ہر دو رہبرانِ ملت کے تعاون کی عملی شکل وہ ہے جس کا ذکر طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت میں آچکا ہے

قطع نظر ان تغیرات کے جو جنگ کی سیلاب انگیزیاں برپا کر دیں۔ ہندوستان میں آئینی تغیرات کے سلسلہ میں بھی مسلمانوں کے خلاف کچھ کم قوتیں کام نہیں کر رہیں۔ پوری کی پوری ہندو قوم چاروں طرف سے حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کو نرغے میں لا کر اس اصول کے منوانے کے درپے ہے کہ ہندوستان میں "قومی حکومت" یعنی اکثریت کا راج ہونا چاہیئے۔ جس طرح تھیٹر کے ایکٹر۔ ایک ڈائرکٹر کے زیر ہدایت مختلف لباسوں میں مختلف پارٹ کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی بادشاہ بن جاتا ہے اور کوئی فقیر کوئی جلاد اور کوئی مظلوم۔ لیکن مطمح نگاہ ان کا

ایک ہوتا ہے یعنی کھیل کی کامیابی۔ اسی طرح اس قوم کی مختلف جماعتیں مختلف بہروپ میں اسٹیج پر آتی ہیں اور مختلف پارٹ کرتی ہیں لیکن مقصد سب کے سامنے ایک ہے۔ حتٰکہ وہ ہندو جو اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ کسی پارٹی سے متعلق نہیں یعنی نان پارٹی کانفرنس کے ارکان۔ وہ بھی بعینہ وہی کچھ کہتے ہیں جو متشدد مہاسبھائی اور کانگریسی ہندو چاہتے ہیں۔ یہ حضرات اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کہیں سے مسلمانوں کی موافقت میں کوئی آواز بھی اٹھنے پائے۔ حکومت برطانیہ کے ارباب بست وکشاد میں مسٹر ایمرے نے صرف اتنا کہا ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا آئینی نظام نافذ نہیں کیا جائے گا جو وہاں کے مختلف سیاسی عناصر کے لئے قابل قبول نہ ہو۔ ڈیوک آف ڈیون شائر کے منہ سے بھی اتنا نکل گیا کہ کانگرس تمام اہل ہند کی نمایندہ جماعت نہیں ہے۔ مسلمانوں کی نمایندگی مسلم لیگ کرتی ہے اور ہندوستان میں مسلمان محض ایک اقلیت کی حیثیت نہیں رکھتے جنھیں اکثریت کے سامنے جھکنا پڑے۔ یہ دو مختلف قومیں ہیں جیسے یونانی اور جرمن۔ یونانیوں کو محض اس لئے کہ وہ تعداد میں کم ہیں اس بات پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جرمنوں کی محکومیت قبول کرلیں کیونکہ ان کی اکثریت ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو اکثریت کی محکومیت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

کہئے کہ مسٹر ایمرے یا ڈیوک آف ڈیون شائر کے ان بیانات میں وہ کونسی زیادتی کی گئی ہے جس سے آتش زیر پا ہوا جائے۔ لیکن نان پارٹی کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں سر تیج بہادر سپرو جس غم و غصہ سے ان دونوں کے خلاف برسے ہیں وہ ان حضرات کے طوفانِ قلبی کی صحیح تصویر ہے۔ انھوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ ۱۸۵۸ء سے لیکر آج تک کسی وزیر ہند نے اتنا نقصان نہیں پہونچایا جتنا مسٹر ایمرے نے پہونچایا ہے (ہندوستان ٹائمز ۲۲/۲/۴۴) اور اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ انھیں انڈیا آفس سے نکال باہر کیا جائے۔ اندازہ فرمایئے کہ جس قوم کے "غیر جانبداروں کی" یہ روش ہو ان کے "جانبداروں" کے کیا ارادے ہونگے؟ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ حکومت کا مرکز ثقل لندن سے دہلی میں منتقل کردیا جائے اور ایک مرکز کے ماتحت ہندوستان میں اکثریت کی حکومت قائم کردی جائے۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے بڑی ہوشمندی اور دیدہ وری سے کام لیا کہ صبح (۲۲ فروری کو) یہ روئداد باہر آئی اور انھوں نے سہ پہر کو اس کے خلاف نہایت برجستہ قرارداد پاس کردی۔ ضرورت ہے کہ ملک میں چاروں طرف سے اس قسم کی سازشوں کی مخالفت کی جائے جن کے ذریعے حکومت پر دباؤ ڈال کر اسے مجبور کیا جارہا ہے کہ ملک میں اکثریت کی حکومت کے نظام کو رائج کردیا جائے۔ اگر ایک مرتبہ ایسا ہوگیا تو یاد رکھیئے یہ دس کروڑ کی قوم گو نڈا اور بھیل کی بن کر

مٹ جائے گی! آئینی تبدیلیوں کا انقلاب۔ جنگ کے انقلابات سے بھی زیادہ محکم ہوا کرتا ہے کہ اس میں غلامی کی زنجیریں بڑے غیر محسوس انداز سے پہنائی جاتی ہیں۔

لیکن ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یہ آئینی جد وجہد ایک فرض کفایہ ہے جسے مسٹر جناح ادا کر رہے ہیں۔ اس میں ہمارے کرنے کا کچھ نہیں ہے۔ حالانکہ وقت وہ آچکا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ سمجھ لے کہ یہ کام میرے ہی کرنے کا ہے۔ کسی اور کا نہیں کشتی میں پانی بھر رہا ہو اور یہ سمجھ لیا جائے کہ اس میں سے پانی نکالنا ملاح کا کام ہے۔ مسافروں کا نہیں نتیجہ ظاہر ہے!

قزک (۲)

ذرا غور فرمائیے! مسلمانوں کی ایک جماعت اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی انتہائی مجبوری ہی لاحق نہ ہو جائے۔ کون اپنے گھر بار کو چھوڑتا ہے۔ قریب چھ ہزار نفوس بیس ہزار مویشی۔ اپنا ضروری سامان لیکر یہ قافلہ چار پانچ برس صحرا نوردیاں اور دشت پیمائیاں کر کے خانماں خراب خستہ حال۔ تباہ و برباد اس امید پر ہندوستان کی جانب رخ کر لیتا ہے کہ وہاں ان کے دس کروڑ بھائی بند آباد ہیں۔ دس کروڑ کے لئے کیا مشکل ہے کہ ان مصیبت زدہ مفلوک الحال غریب الدیار انسانوں کو پناہ دے دیں۔ چار پانچ برس کی گردش یہ حالت کر دیتی ہے کہ چھ ہزار میں سے قریب تین ہزار انسان اور بیس ہزار میں سے قریب پانچ ہزار جانور باقی بچتے ہیں۔ اور مالی حالت یہ کہ ان میں سے کسی ایک کے پاس نہ کھانے کو پیسہ نہ اوڑھنے کو کپڑا۔ تبت اور کشمیر کی برفباری۔ اور یہ بے سروسامانی! بہرحال کسی نہ کسی طرح مصیبت زدوں کا یہ لٹا ہوا قافلہ سرحد کشمیر میں آپہونچتا ہے ان کی مصیبت کی داستانیں ہندوستان کے گوشے گوشے تک پھیل جاتی ہیں۔ ایسی داستانیں کہ جنھیں سنکر پتھر کا دل بھی پانی ہو کر بہ نکلے! دس کروڑ میزبانوں کے یہ تین ہزار مہمان اور حالت یہ کہ آج تک وہ اسی پریشانی اور کس مپرسی کے عالم میں مبتلا ہیں جس میں پہلے دن تھے! اگر غیرت ملی کی کوئی رمق بھی باقی ہو تو کسی قوم کے لئے اس سے بڑھ کر ڈوب مرنے کا اور کیا مقام ہوگا یہ ان اسلاف کے اخلاف کا حال ہے جنھوں نے اپنی بے سروسامانی اور تہی دامنی کے باوجود مکہ کے تمام مہاجرینؓ کو اپنے ہاں پناہ دی۔ پناہ ہی نہیں دی بلکہ انھیں بھائی بنا لیا۔ ایسا بھائی کہ وراثت تک میں انھیں شریک سمجھنے لگ گئے! مدینہ کے انصار گنتی کے چند افراد تھے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اور یہاں یہ حالت کہ دس کروڑ مسلمان

ہیں جن میں بعض ایسے بھی ہیں جو ان تین ہزار مصیبت زدہ انسانوں کو تین ہزار دن تک اکیلے مہمان رکھ سکیں۔ بایں ہمہ وہ بیچارے سردی اور بھوک کے ہاتھوں مر رہے ہیں (یعنی سچ مچ مر رہے ہیں) اور ہمیں کچھ احساس نہیں ہوتا! اور کچھ نہیں تو ذرا اسے ہی سوچئے کہ ان انقلابی ایام میں کون کہہ سکتا ہے کہ کل کس پر کیا گذرنے والی ہے! جو ابھی کل تک کروڑپتی تھے آج ایک وقت کی روٹی کے لئے محتاج ہیں۔ تخت وتاج کے مالک خانماں برباد زندگیاں بسر کر رہے ہیں اگر آج ہمارے ان فلک زدہ بھائیوں پر مصیبت آگئی ہے تو کون کہہ سکتا ہے ہم میں سے کل کس پر کیا گذرنے والی ہے۔ اس لئے اور نہیں تو اس خیال کے ماتحت ہی ان کس مپرسوں کی خبر گیری کرنی چاہیئے۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ مسلم لیگ نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ لیکن مسلم لیگ کے پاس فنڈ کہاں جس سے وہ ان کی امداد کر سکے گی۔ ہم ہندوستان کے اربابِ ثروت وہمت سے دلی اپیل کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد جس قدر بھی ہو سکے مسلم لیگ کی اس خاص مد میں امداد کرے تاکہ ان ستائے ہوئے پناہ گزینوں کی مصیبت ٹل جائے۔

---

(۳)

لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۲ فروری میں ایک ایسا ریزولیوشن پیش ہوا جس کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرف سے ملت اسلامیہ کو جس قدر نقصان پہونچا ہے اس کا کچھ حصہ تو ہنگامی تھا وقتی طور پر کچھ نقصان ہوا جس کا بعد میں ازالہ ہو گیا۔ لیکن ایک نقصان ایسا بھی ہے جس کا اثر نسلوں تک مسلسل چلا جائے گا اور وہ ہے وارد ہا کی تعلیمی اسکیم۔ قارئین طلوع اسلام اس اسکیم سے ناواقف نہیں۔ ہر چند اس جد وجہد کی وجہ سے جس کی تحریک (بمجدہٗ) طلوع اسلام کی طرف سے ہوئی تھی اس مذموم اسکیم کا سیلاب بڑی حد تک رک گیا۔ لیکن پھر بھی ان صوبوں میں جہاں ہندوؤں کا زور ہے یہ اسکیم عملی شکل اختیار کرتی گئی۔ اس اسکیم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمان بچوں کے لئے ایسا نصاب متعین کیا جائے جس سے وہ آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر اسلام کی امتیازی خصوصیات کو بھلا کر اسے کچھ اس قسم کا مذہب سمجھنے لگیں جیسا گاندھی جی چاہتے ہیں اور جسے عملاً نیشنلسٹ مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

جناب ابوالحسن صاحب قادری بدایونی نے اپنا ریزولیوشن پیش کرتے وقت بنیادی تعلیم کی ایک اردو پرائمر سے جو یو۔پی میں بچوں کا نصاب مقرر ہے۔ ایسے اقتباسات پڑھ کر سنائے جنھیں سنکر حیرت چھا گئی کہ اسلام

کے خلاف کتنی بڑی سازش ہے جو اس طرح سے پھیلائی جارہی ہے۔ بدایونی صاحب کا ریزولیوشن تو صرف اتنا ہی تھا کہ اسکولوں کی درسی کتابوں میں نبی اکرمؐ اور اکابر اسلام کا ذکر اس طور پر نہ کیا جائے۔ لیکن مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے اور وسعت دی گئی اور قرار یہ پایا کہ اسے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں پیش کیا جائے۔ اس اثناء میں مختلف صوبوں کے نمائندہ حضرات اپنے اپنے ہاں کے کتب نصاب کی دیکھ بھال کریں اور اس کے بعد ایک جامع ریزولیوشن مرتب کیا جائے جس سے اس قسم کی سازشوں کا سدباب ہو سکے۔

ہم ارباب لیگ کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سازش ایسی ہے جس کا ازالہ ایک جامع ریزولیوشن سے نہ ہو سکے گا۔ تعلیم کا مسئلہ قوم کا بنیادی مسئلہ ہے افسوس ہے کہ ہم نے اس وقت تک اس کی اہمیت کا احساس نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ کہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہمارے بچوں کے قلب و دماغ کو کس سانچے میں ڈھالا جارہا ہے اور کل کی آنے والی ملت اسلامیہ کیا بن کر ابھرے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لیگ کے اندر ایک مستقل شعبہ تعلیم قائم کیا جائے جس کی شاخیں تمام پراونشل لیگوں میں موجود ہوں اور کانگرسی اور غیر کانگرسی تمام صوبوں میں اس امر کا فیصلہ کر دیا جائے کہ کوئی ایسی کتاب مسلمان بچوں کے نصاب میں نہیں رکھی جائے گی جسے لیگ کی تعلیمی کمیٹی نے منظور نہ کر دیا ہو۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور اس کا نتیجہ تمام ہنگاموں سے کہیں زیادہ محکم اور دوررس ہے جن میں ہم اپنا جوش و جذبہ فضا میں منتشر کر دینے کے عادی ہو چکے ہیں۔ قوم **زندہ باد** کے نعروں سے زندہ نہیں رہے گی بلکہ قوم کے بچوں کو زندہ رکھنے سے زندہ رہے گی۔

---

(۴)

لیگ کونسل کے متذکرہ صدر اجلاس میں نادان دوستی کا ایک دلچسپ مظاہرہ ہوا۔ اس مرتبہ سر سکندر حیات خاں صاحب شریک محفل نہ تھے اس لئے وہ مضطربانہ نقل و حرکت اور کنکھیوں کے پیہم اشارے جو ہر تیہ کھٹر کنے پر تہ پریشانی محفل ہوا کرتے تھے کہیں محسوس نہ ہوتے تھے۔ کام نہایت سکون و اطمینان سے ہو رہا تھا کہ ایک صاحب (رحیم بخش صاحب) نے ایک ریزولیوشن پیش کر دیا جس میں سر سکندر کی اس بے مثال قربانی کو سراہا گیا تھا جو انھوں نے ڈیفنس کونسل سے استعفاء دینے سے کی تھی۔ ریزولیوشن کے ابھی ابتدائی فقرات بھی محرک کی زبان سے نہ نکلنے پائے تھے کہ ساری مجلس کچھ اس طرح چونک اٹھی جیسے کسی بھولے ہوئے ناشدنی واقعہ کی یکایک یاد آجائے اور انسان بے ساختہ کہہ اٹھے کہ

کچھ کم ہوئی تھیں دل کے دھڑکنے کی کاہشیں　　پھر آ گیا وہ زلف پریشاں کئے ہوئے

مجمع مضطرب و بیقرار تھا اور ان کی اس بیقراری کی ترجمانی جناب عبدالحامد صاحب بدایونی نے اپنی مختصر سی تقریر میں کردی جو انھوں نے ریزولیوشن کی تردید میں فرمائی اور جس میں انھوں نے ان کارہائے نمایاں کا اشاروں ہی اشاروں میں تذکرہ فرمایا جن کی بھولی بسری یاد نے اہل محفل کے قلوب کو طلسم پیچ و تاب بنا دیا تھا۔ وہ تو یوں کہیئے کہ خیر گذری جو جناب صدر نے اس ناخوشگوار مبحث کو ختم کر دیا ورنہ جو کچھ دلوں میں تلاطم انگیز تھا وہ زبانوں پر آجاتا تو معلوم۔ بیچارے محرک کو اپنی اس نادان دوستی کا کیسا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔ ریزولیوشن پر آرا رلی گئیں۔ اور جاں نثارانِ پنجاب کے چھ ہاتھوں کے سوا سارے مجمع کی مخالفت سے قرارداد مسترد ہوگئی۔

تمام ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے نمایندوں میں سے صرف چھ نفوس کی رفاقت! یہ پردہ نہ ہی اٹھتا تو اچھا تھا! بعض اوقات "دوستی" وہ کچھ کر جاتی ہے جو "دشمنی" بھی نہیں کر سکتی۔ حیرت ہے کہ ان لوگوں میں کوئی نیک صلاح دینے والا بھی نہیں رہا!

---

(۵)

کاپیاں لکھی جا چکی تھیں کہ جریدہ اسٹیٹمین کی ۲۴ فروری کی اشاعت کا مقالہ افتتاحیہ سامنے آیا۔ ان ابتدائی صفحات میں اس تحریک کا ذکر کیا جا چکا ہے جو نان پارٹی (یعنی سپرو) کانفرنس کی طرف سے معرض وجود میں آرہی ہے اور جس میں ایک نئے بھیس میں وہی کچھ کیا جا رہا ہے جو کانگرس اور مہاسبھا کے متشدد ہندو کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ہندوستان میں اکثریت کی حکومت۔ اس کانفرنس کی اس روش کے خلاف مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے ۲۲ فروری کے اجلاس میں ایک نہایت موزوں اور برمحل قرارداد پاس کی ہے جو اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اس قرارداد کے خلاف جریدہ اسٹیٹمین نے محولہ صدر مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم فرمایا ہے اگرچہ اس مقالہ میں صاف صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا گیا لیکن قرائن سے صاف نظر آرہا ہے کہ ہندوستان میں عنقریب آئینی تغیرات ہونے والے ہیں اور ان تغیرات کی اساس اغلباً سپرو کانفرنس کی تجاویز ہیں۔ وقت نہیں کہ ہم اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کر سکیں لیکن اس عجلت میں جریدہ اسٹیٹمین پر اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ نے اپنے ریزولیوشن میں جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے نمایندے وہ چند خود غرض افراد نہیں جنھیں سامنے رکھکر یہ کہا جا رہا ہے کہ

ملت اسلامیہ ایک منتشر قوم ہے جس کے اندر یک نگی اور ہم آہنگی نہیں۔ خود غرض افراد کس قوم میں نہیں پائے جاتے۔ یاد رکھیئے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان کامل یک جہتی اور ہم آہنگی سے جناب جناح کے ساتھ ہیں اور ان کے ایک ادنیٰ سے اشارے پر بڑی سے بڑی قربانی کر دینے پر آمادہ ہیں جریدہ اسٹیٹسمین نے طعن دیا ہے کہ لوگوں کو "جلوسوں۔ پھولوں کے ہاروں اور تقریروں سے فریب نہیں کھانا چاہیئے" ہم اس فریب خوردہ معاصر کے گوش گذار کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس بھول میں نہ رہے کہ یہ جلوس۔ پھولوں کے ہار اور تقریریں محض رسمی ہیں مسٹر جناح کی عظمت اور توقیر مسلمانوں کے دل کے عمیق ترین گوشوں میں گھر چکی ہے اور یہ مظاہرے اس گہری عقیدت کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اگر معصر مذکور یا اس کے ہم خیال حضرات امتحان لینا چاہتے ہیں تو مسٹر جناح کے مقابلہ میں کسی اور کو کھڑا کر کے دیکھ لیں نتیجہ ظاہر کر دے گا کہ نمایندہ کسے کہتے ہیں۔ ہم اس حقیقت کو پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ کے مطالبات مسلم انڈیا کے مطالبات ہیں اور ان کا ٹھکرانا دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھکرانا ہے۔ مسلمان کسی ایسے سیاسی آئین کو قبول نہیں کر سکتے جس میں ان کی حیثیت ایک قوم کی بجائے ایک فرقہ کی ہے۔ یہاں دو بڑی قومیں بستی ہیں۔ اقلیت اور اکثریت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ جب تک اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہندوستان کی آئینی گتھی کے سلجھاؤ کی کوئی صورت نہیں پیدا ہو سکتی۔

ہم اس موقعہ پر مسلمانوں کے ان نمایندوں کی توجہ بھی اس طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں جن کی آواز ایوانِ حکومت میں مسلمانوں کی آواز سمجھی جاتی ہے کہ وہ اس نازک وقت میں اپنی کامل ذمہ داری کے احساس کو فراموش نہ فرمائیں اور اربابِ حکومت کو قوم کے صحیح جذبات و احساسات سے آگاہ فرمائیں۔ یہ قوم کی بھی صحیح نمایندگی ہوگی اور ان کی ذمہ داری کی صحیح سرانجام دہی بھی!

مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۲ فروری میں ایک ریزولیوشن کے ذریعہ حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ علامہ مشرقی کی رہائی کو غیر مشروط قرار دیدے اور انھیں اجازت دیدے کہ وہ مدراس سے باہر آسکیں۔ حکومت نے علامہ مشرقی کو جیل سے رہا کر کے مسلمانوں کو شکر گذار ہونے کا موقعہ دیا لیکن اس مشروط رہائی سے ان کے دلوں کو پورا اطمینان نہیں ہوا۔ یہ واقعہ کہ حکومت نے علامہ مشرقی کو ایسے نازک وقت میں جیل سے رہا کر دیا جبکہ ہندوستان پر چاروں طرف جنگ کی گھٹائیں امنڈ آرہی ہیں اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کے خلاف یہ الزام کہ وہ بیرونی طاقتوں سے ساز باز رکھتے ہیں قطعاً بے بنیاد اور ان کے بدخواہوں کی افترا پردازی

اور بہتان تراشی ہے۔ سو جب حقیقت یہ ہے تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ان کی رہائی کو ان شرائط سے مقید کیوں رکھا جائے۔ اگر وہ مدراس میں کسی خطرہ کا موجب نہیں ہو سکتے تو لاہور میں بھی ان کی طرف سے کسی خطرہ کا امکان نہیں ہو سکتا۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت مسلم لیگ کے اس ریزولیوشن کو مستحق توجہ سمجھے گی جو لاکھوں مضطرب قلوب کی ترجمانی کر رہا ہے اور نہ صرف علامہ مشرقی کی رہائی کو ہی غیر مشروط قرار دے دیگی بلکہ جماعت خاکسار پر سے بھی پابندیاں اٹھالے گی۔ اور ایسے نازک وقت میں جبکہ ملک میں اندرونی خلفشار کا ہر وقت احتمال ہو سکتا ہے۔ ایسی جماعت کو خدمت خلق کا موقع دے گی جو بلا مزد و معاوضہ اپنے آپ کو دوسروں کی آگ میں جھونک دینے میں لذت حیات محسوس کرتی ہے۔

قارئین کو غالباً یاد ہوگا کہ ہم ایک عرصہ تک یہ کوشش کرتے رہے کہ آل انڈیا ریڈیو کے اسلامی پروگرام کو تفریح و تفنن کے حدود سے نکال کر کچھ مفید بنایا جائے۔ لیکن افسوس کہ ہمیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ ریڈیو۔ محکمہ ریڈیو کی ملکیت ہے۔ اس لئے دوسروں کو بہرحال ان کے رحم و کرم کا محتاج رہنا ہوگا۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جسے ہم باوجود اپنی سعی لاحاصل کے ایک دفعہ پھر ارباب محکمۂ ریڈیو کے گوش گذار کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ وہ اسلامی پروگرام جس طرح ان کا جی چاہے مرتب کریں لیکن خدا کے لئے مسلمانوں کے احساسات کا اتنا تو خیال کریں کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی تعریف و توصیف (نعتوں) کو ایسا عامیانہ اور بازاری نہ بنا دیں جیسا آج کل عام طور پر ہو رہا ہے! غالباً انھیں علم نہیں کہ ہمارے دلوں میں اس ذات اقدس و اعظم ﷺ (فداہ ابی و امی) کی تعظیم و تکریم کس حد تک ہے اسی لئے انھیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وہ جب "مکے دیا ماہیا" جیسی نعتیں نشر کرتے ہیں تو مسلمانوں کے دل پر کیا گذرتی ہے! کیا اس سارے محکمہ میں نیچے سے اوپر تک کوئی بھی ایسا نہیں جسے مسلمانوں کے جذبات کا کچھ بھی احترام ہو؟ اگر اس میں اصلاح نہیں ہو سکتی تو مسلمانوں پر بیحد احسان ہوگا اگر اس شق کو پروگرام سے خارج کر دیا جائے! اس قسم کی نعتوں سے خاموشی اچھی!!

اس مرتبہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ایسٹر کی تعطیلات میں **الہ آباد** منعقد ہو رہا ہے اس وقت ملک کی فضا جن خطرات کی آماجگاہ بن رہی ہے اور بالخصوص مسلمانوں پر چاروں طرف سے منظم سازشوں کی جو بے پناہ یورش ہو رہی ہے اس کے پیش نظر ضرورت ہے کہ اس اجلاس کو پہلے سے بھی زیادہ کامیاب بنایا جائے۔

اور ملّت اسلامیہ کے حساس قلوب ایک جگہ جمع ہو کر سوچیں کہ مسلمانوں کو اس اندرونی اور بیرونی سیلاب انگیزی سے بچانے کی کیا عملی تدبیر ہو سکتی ہے۔ یاد رکھیئے۔ وقت بڑا نازک آچکا ہے آپ جو کچھ بھی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کر رہے ہیں کیجئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انفرادی اور اجتماعی طور پر ایک چیز التزاماً کیجئے۔ اور وہ یہ کہ اپنی نمازوں میں ہمیشہ ملّت اسلامیہ کی کشتی کے نحیف و زار ناخدا۔ قائد اعظم مسٹر جناح کی درازیٔ عمر و صحت کی دعا مانگئے اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں درخواست کیجئے کہ اُس کی نصرت و تائید اِس کے کمزور بازوؤں کے ساتھ ہو۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع الدعاء

مسلمانوں جناح کی قدر کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔

معارف القرآن کی بہت تھوڑی سی مجلّد کاپیاں باقی ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو جلد منگا لیجئے جنگ کی وجہ سے دوبارہ جلد اس قیمت میں نہیں بندھ سکے گی۔

جامع مسجد دہلی

کس بلندی پر کھڑی ہے مسجدِ شاہجہاں
خاکِ دہلی کو حریفِ آسماں کرتی ہوئی

ہر جہت سے اک نیا انداز دکھلاتی ہوئی
ہر طرف سے اک نیا منظر عیاں کرتی ہوئی

جو سخنور کے بھی لفظوں میں سما سکتا نہیں
خامشی کے تھا وہ سب کچھ بیاں کرتی ہوئی

پتھروں پر نقش کر کے ذوقِ حسن و حسنِ ذوق
عظمتِ شاہِ جہاں کو جاوداں کرتی ہوئی

یہ عمارت آج بھی دلّی کے سر کا تاج ہے
اس پہ نورانی فضا کو حکمراں کرتی ہوئی

تین صدیوں کی عمارت اور یہ روحِ تازگی
دیکھنے والوں کی ہمّت کو جواں کرتی ہوئی

مختلف قومی نشانوں کے کھلونے چھوڑ کر
سربلند اسلام کا اصلی نشاں کرتی ہوئی

ملّتِ بیضا کی ہے خونِ شہیداں پر بنا
سنگِ سُرخ و سنگِ مرمر سے عیاں کرتی ہوئی

شوکتِ اسلاف کی دکھلا کے اک روشن جھلک
آجکل کی زندگی ہم پر گراں کرتی ہوئی

مسلمِ ہندی کے مستقبل کے استفسار پر
صاف اشارہ سوئے اوجِ آسماں کرتی ہوئی

اسد ملتانی

حقائق و عبر

۱۔ حدود فراموش طلوع اسلام کا یہ فقرہ کہ "عقل کی تو کوئی حد ہوتی ہے لیکن بیوقوفی کی کوئی حد نہیں ہوتی" ضرب المثل ہو گیا ہے اور آئے دن ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ حال ہی میں یہ زعفران زار خبر اخباروں میں گشت لگا رہی ہے کہ مسٹر فضل الحق صاحب نے جناب جناح کے خلاف کلکتہ ہائی کورٹ میں دعوے دائر کرنے کا نوٹس دیدیا ہے کہ انھیں لیگ سے کیوں نکالا گیا ہے۔ نوٹس میں ایک لاکھ روپیہ ہرجانہ کا مطالبہ کیا گیا ہے (ہندوستان ٹائمز ۱۱) چونکہ یہ مقدمہ ابھی عدالت کے سامنے ہے اس لئے ہم اس پر رائے زنی نہیں کرنا چاہتے لیکن تحاکم الی الطاغوت کی یہ ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر شاید ہی کہیں اور ملے مسٹر حق کے اخراج کا فیصلہ ملت کا فیصلہ ہے۔ جماعت کا فیصلہ ہے۔ اپنی ملت اور اپنی جماعت کے فیصلہ کے خلاف غیروں سے استمداد و استعانت نہ صرف حمق مبنی ہے بلکہ غیرت و حمیت کا ماتم بھی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ ۴/۶۰

کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر بھی نظر کی ہے جو دعوے تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر جو تم پر نازل کی گئی ہے اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی ہے لیکن عملی حالت یہ ہے کہ اپنے معاملات میں فیصلے غیر خدائی قوتوں سے چاہتے ہیں۔ حالانکہ انھیں حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ ان کا انکار کریں۔ اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انھیں اس طرح گمراہ کر دے کہ راہ راست سے بہت دور جا پڑیں۔

مسٹر حق کو اگر اس فیصلہ سے اتنا ہی دکھ پہنچا تھا تو ان کے لئے راہ عمل بالکل واضح تھی۔ جماعت کے پاس اپنا معذرت نامہ بھیجدیتے اور اپنی ملت کش حرکات سے تائب ہو جاتے کسی کو ان کی ذات کے خلاف کوئی عداوت تھوڑی ہے۔ افسوس تو ان حرکات پر ہے جو ان کی طرف سے پچھلے دنوں سے پے در پے صادر ہوتی چلی جا رہی ہیں اور یوں نظر آتا ہے گویا ان پر مسٹر حق کو خود بھی قابو نہیں۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ جناب جناح کا فیصلہ خو بجانب،

یا نہیں تو اس کے برسرِ حق ہونے کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا کہ اس فیصلہ کی تائید ملک کے چاروں گوشوں سے ہو رہی ہے۔ ساری کی ساری ملّت اسلامیہ جنابِ جناح کی ہمنوا ہے۔ کہیں سے ایک آواز بھی اس فیصلہ کے خلاف نہیں اٹھی۔ پھر دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ملت اسلامیہ کی نمایندہ جماعت۔ لیگ کی مجلس عاملہ اور لیگ کونسل ہے۔ وہاں سے پوچھ لیجئے کہ کون حق بجانب ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھیئے۔ جنابِ جناح نے ابھی کل ہی سراج گنج کی کانفرنس کے موقعہ پر فرمایا ہے کہ مسٹر حق انتخاب عامہ کے ذریعہ معلوم کرلیں کہ ملت اسلامیہ کا ان کے متعلق کیا خیال ہے؟ اگر یہ انتخاب حکومت کی طرف سے عمل میں نہیں آتا تو نہ سہی۔ اس سے انھیں کس نے روکا ہے کہ خود اس چیلنج کو قبول کرلیں اور اپنے طور پر مسلمانانِ ہند یا مسلمانانِ بنگال یا کم از کم کلکتہ کے مسلمانوں کے ووٹ لے لئے جائیں اور معلوم کرلیا جائے کہ قوم کا کیا فیصلہ ہے! لیکن ایسا تو وہ کرے جسے اس امر کا یقین ہو کہ قوم اس کے ساتھ ہے۔ جو اپنی وزارت کے لئے مہاسبھائی ہندوؤں کی اعانت کا محتاج ہو وہ اپنے قومی معاملات کے فیصلہ کے لئے عدالتوں کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے تو اور کیا کرے؟ ہم حیران ہیں کہ آنے والی نسلیں جب ان واقعات کو پڑھیں گی تو ہمارے متعلق کس نتیجہ پر پہونچیں گی؟

لیکن اور باتوں کو چھوڑیئے مسٹر فضل الحق صاحب کے مقدمہ کے نوٹس سے اتنا واضح ہوگیا کہ خود ان کے نزدیک بھی مسلم لیگ کی اہمیت کس قدر ہے! یعنی لیگ سے اخراج اتنی بڑی ہتک ہے کہ اس کے ازالہ کے لئے ایک لاکھ روپیہ کا ہرجانہ دینا چاہیئے۔ لیکن مسٹر حق کو کون سمجھائے کہ عزت، روپوں سے تل کر نہیں بکا کرتی۔ عزت، جماعت کا ساتھ دینے میں ہے۔ انھیں وہ دن بھی یاد ہیں کہ جب ان کے خلاف بنگال اسمبلی میں ایک تحریک پیش ہوئی تھی تو ایوان سے باہر ایک لاکھ مسلمانوں کا ہجوم آدھی رات تک انتظار میں کھڑا تھا کہ کیا فیصلہ ہوتا ہے اور آج یہ حالت ہے کہ انھیں مسلمانوں تک اپنی بات پہونچانے کے لئے پولیس کی امداد حاصل کرنی پڑتی ہے۔ کیا عزت اس کا نام ہے یا اس کا نام تھا؟ اور اگر بفرض محال انھیں لاکھ روپیہ کا ہرجانہ بھی مل جائے اور عدالت یہ بھی کہدے کہ انہیں لیگ میں پھر سے شامل کرلینا چاہیئے۔ تو کیا اس سے ان کی چھنی ہوئی عزت پھر سے مل جائے گی؟

لاریب کہ جب انسان پستی کی طرف آتا ہے تو اسفل سافلین تک پہونچکر رہتا ہے!

پھر طفلانہ پن یہیں ختم ہو کر نہیں رہ جاتا۔ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور بنگال میں ایک اور مسلم لیگ کھڑی کر دی جاتی ہے لیکن دلچسپی ملاحظہ ہو کہ اس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ نہیں رکھا جاتا بلکہ بنگال پراونشل مسلم لیگ

ہی رکھا جاتا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ وہ کونسی مرکزی لیگ ہے جس کی صوبائی لیگ یہ آپ کی نئی لیگ ہے! صوبائی لیگ تو اس غرض سے متشکل کی جاتی ہے کہ مرکز کے فیصلوں کو اپنے صوبوں میں نافذ کرے۔ لیکن یہ عجیب تماشا ہے کہ مرکز ندارد اور صوبائی لیگ موجود!!

اور پھر یہ اور سنیئے کہ اس جدید صوبائی لیگ نے سر ناظم الدین وغیرہ حضرات کو لیگ سے الگ بھی کر دیا ہے۔ اور سر ناظم الدین وغیرہ وہ حضرات ہیں جنھیں مرکزی لیگ نے بنگال پراونشل مسلم لیگ کے نمایندوں کی حیثیت سے مجلس عاملہ اور لیگ کونسل کے اجلاس میں مدعو کیا ہے!

یہ ایک ایسا تماشہ ہے جس پر غیر ہنستے ہیں اور اپنے روتے ہیں۔ فی الواقعہ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا!

۲۔ یعنی چہ؟ مجلس احرار کا تذکرہ ان صفحات پر بہت کم آیا ہے۔ لیکن بعض اوقات ان کی حرکات ایسی دلچسپ ہو جاتی ہیں کہ ان کی لذت اندوزی سے قارئین کرام کو محروم رکھنا بخل معلوم ہوتا ہے۔ ایک خبر ملاحظہ فرمائیے۔

"مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی نے موجودہ حالات کا جائزہ لیا لیکن کوئی خاص ریزولیوشن پاس نہیں کیا گیا۔ مجلس نے فیصلہ کیا ہے کہ مجلس کی پالیسی بنیادی طور پر تبدیل کر کے خالص فرقہ وارانہ طریقہ پر کام ہو۔ چنانچہ مختلف صوبوں میں سول نافرمانی بند کر دی گئی۔ اب ساری کوشش اس بات پر صرف ہوگی کہ اس پارٹی کو مسلمانوں میں ہر دلعزیز بنایا جائے۔ اگر مسٹر جناح حکومت برطانیہ پر مسلمانوں کے حقوق حاصل کرنے کے لئے زور ڈالیں۔ تو ان کا پوری طرح ساتھ دیا جائیگا مسٹر جناح سے کہا گیا کہ وہ سر سکندر حیات اور مسٹر فضل الحق جیسوں کو مسلم لیگ سے نکال دیں مجلس احرار نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ مسلم لیگ سرمایہ داروں اور خطاب یافتہ لوگوں سے بھری ہوئی ہے جو کوئی قربانی نہیں کر سکتے (خبر کا آخری فقرہ حسب ذیل ہے) مجلس احرار نے پاکستان کے خلاف انکوائری کرنے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔" (مدینہ)

دیکھنے میں تو یہ چند سطریں ہیں لیکن غور کرنے سے سیاسی حقائق کا ایک بحر بے کنار ہے جس کے ایک ایک قطرہ میں صنعت تضاد جھلمل جھلمل کر رہی ہے یعنی

(۱) مسٹر جناح حکومت برطانیہ پر مسلمانوں کے حقوق حاصل کرنے کے لئے زور ڈالیں تو ان کا پوری طرح ساتھ

دیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی

(۲) پاکستان کے خلاف آبجی ٹیشن بھی کی جائے گی۔

(۳) مسلم لیگ سرمایہ داروں اور خطاب یافتہ لوگوں سے بھری پڑی ہے جو کوئی قربانی نہیں کر سکتے۔ لیکن

(۴) اخراج کا مطالبہ صرف سر سکندر حیات اور مسٹر فضل الحق جیسوں کا ہی ہے۔

اور سب کچھ کیا کس لئے جائے گا؟ اس لئے کہ

اس پارٹی کو مسلمانوں میں ہر دلعزیز بنایا جائے۔

توبہ توبہ!! انسان بچارے کو بھی روٹی کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

۳۔ کفر ٹوٹا..... پاکستان اسکیم کے متعلق بار بار اس حقیقت کو واضح کیا جا چکا ہے کہ اس کا بنیادی تصور ہی یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے خطوں کی جداگانہ حکومت جداگانہ مرکز کے ماتحت ہو کئی مرتبہ مسٹر جناح نے اس کی وضاحت فرمائی۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب نے اس کی تصریح کی چنانچہ ابھی اگلے دنوں کلکتہ میں تقریر فرماتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا۔

"اسلامی ہند کسی مرکزی حکومت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ یونی ٹری (وحدتی حکومت) کا مرکز ہو خواہ فیڈریشن (وفاقی حکومت کا) یا کسی اور انداز کا جس میں دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ (اکثریت و اقلیت) کے اعداد و شمار پر منحصر ہو" (ہندوستان ٹائمز ۱۵ ۲/۴۲)

لیکن بایں ہمہ (پنجاب کے) ہمارے بعض دوست ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا چلے آتے تھے کہ اس اسکیم کی رو سے تمام ہندوستان کا مرکز ایک ہی ہوگا البتہ مرکز کے اختیارات میں کمی کر دی جائے گی۔ بارے غنیمت ہے کہ اب خدا خدا کر کے ان حضرات کا کفر ٹوٹا اور انھیں بھی تسلیم کرنا پڑا کہ وحدتِ مرکز اس اسکیم کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔ چنانچہ معاصر انقلاب اپنی ۱۵ فروری کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں رقمطراز ہے:۔

"جب مسلمان اور ہندو ایک قوم نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو پھر کیوں مسلمانوں کی حفاظت کا مستقل بندوبست نہ کیا جائے؟ اس حفاظت کا صحیح ترین مرقع لیگ کی قرارداد لاہور ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ ہندو اپنی اکثریت کے صوبوں میں اپنا جائز حق حاصل کر لیں۔ اقلیتوں کی حفاظت کے لئے دونوں قومیں ایک سمجھوتہ کر لیں اور اس پر عمل پیرا رہیں۔ مرکز کو بالکل اڑا دیا جائے۔ اس لئے کہ مرکز محض ہندوؤں کے اقتدار عامہ کی ایک دستاویز ہے۔ جسے مسلمان کسی حالت میں بھی قبول نہیں کر سکتے"

یہی حقیقت ہے۔ جب تک مرکز کو نہ اڑایا جائیگا اکثریت کے اقتدار کا خاتمہ نہیں ہوگا۔

یوں نہ سہی یوں سہی

طلوع اسلام کی گذشتہ دسمبر کی اشاعت میں ایک مضمون بعنوان "شاہ ولی اللہؒ اور قرآن وحدیث" شائع ہوا تھا اس میں ضمناً علامہ حمید الدین فراہیؒ کے روایات کے متعلق بعض خیالات کا ذکر آگیا تھا۔ ہم نے وہ اقتباسات۔ جیسا کہ اس مضمون میں تصریحاً واضح کر دیا گیا تھا۔ رسالہ **البیان** سے نقل کئے تھے۔ اسپر علامہ فراہیؒ کے شاگرد جناب امین احسن صاحب اصلاحی نے متنبہ کیا[1] ہے کہ یہ اقتباسات غلطی پھیلانے والے ہیں ان میں کہیں عبارت کو سیاق وسباق سے الگ کرکے دکھایا ہے اور کہیں ترجمہ میں اسقام ہیں۔

اگر یہ اقتباسات (جیسا کہ اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے) علامہ فراہیؒ کے خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے تو ہمیں اس کا افسوس ہے۔ اُس وقت اصل کتاب (فاتحہ نظام القرآن) ہمارے سامنے نہ تھی (نہ ہی اِس وقت دستیاب ہو سکی ہے)۔ بہرحال یہ معاملہ البیان اور اصلاحی صاحب کے درمیان فیصلہ کرنے کا ہے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ اصلاحی صاحب نے اتنے جوش خروش کے بعد اپنے مضمون میں ثابت کیا کیا؟ یہ ہو سکتا ہے کہ اصلاحی صاحب کے دعوے کے مطابق مذکورہ صدر اقتباسات میں سیاق وسباق کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو یا ترجمہ میں کچھ سقم ہو لیکن جو اقتباسات خود اصلاحی صاحب نے درج فرمائے ہیں اور اُن کا جو ترجمہ انہوں نے کیا ہے اس سے وہی کچھ ثابت ہو رہا ہے جس کی تائید میں طلوعِ اسلام نے ان اقتباسات کو درج کیا تھا۔ طلوعِ اسلام کا وہ دعویٰ جس کی تائید میں علامہ فراہیؒ کا ذکر کیا گیا تھا حسب ذیل ہے۔

(۱) دین کا انحصار یقینیات پر ہے ظنیات پر نہیں یعنی ظنی چیز دین نہیں ہو سکتی۔

(۲) روایات کے موجودہ مجموعے شک وشبہ اور ظن وتخمین سے بالا نہیں۔

(۳) صرف وہی روایات قابلِ قبول ہیں جو قرآن کی تصدیق وتائید کریں۔

(۴) منزل من اللہ قرآن ہے اور اسی کی حفاظت کا اللہ نے ذمہ لیا ہے۔

---

[1] "مولانا حمید الدین فراہیؒ اور علم حدیث" از جناب امین احسن صاحب اصلاحی مطبوعہ معارف بابتہ فروری ۱۹۴۲ء

(۵) کوئی روایت قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔

(۶) جو اعمال (نماز۔ روزہ وغیرہ) تواتر و توارث سے ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ یقینیات میں داخل ہیں، ان کے جزئی اختلافات کو اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

اب یہ دیکھیے کہ جناب اصلاحی نے علامہ فراہیؒ کے جو اقتباسات درج فرمائے ہیں کیا اُن سے متذکرہ صدر خیالات کی تائید ہوتی ہے یا تردید۔

اقتباس اول:۔

"اگر احادیث، تاریخ، اور قدیم صحیفوں میں ظن و شبہ نے راہ نہ پائی ہوتی تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے" (معارف صفہ ۹)

اس پر اصلاحی صاحب اضافہ فرماتے ہیں

"یہاں مولانا نے بے شبہ یہ لکھا ہے کہ احادیث میں ظن و شبہ کو دخل ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو۔" (معارف صفہ ۹)

لیجیے پہلے ہی قدم میں معاملہ صاف ہوگیا۔ ہم بھی اتنا ہی کہتے ہیں کہ روایات میں ظن و شبہ کو دخل ہے اور اگر (بقول اصلاحی صاحب) یہ ایک ایسی بات ہے جس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو تو پھر خدا کے لئے بتائیے کہ ہمارا وہ کونسا جرم ہے جس کی پاداش میں ہمیں مستحق دار و رسن قرار دیا جارہا ہے۔

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و برما نام فسق!

آگے چلئے۔ اقتباس دوم حسب ذیل ہے

"اکثر اہلِ حدیث کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ بخاریؒ اور مسلمؒ نے جو روایت کی ہے اس میں شک کی گنجائش نہیں ہم یہاں مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو رب ٹھہرانے پر تشنیع فرمائی ہے۔ پس ہم اس پر ایمان نہیں لاسکتے۔ جو انہوں نے بغیر غور و فکر کے سمجھا ہے۔" (معارف صفہ ۹۴)

اس پر اصلاحی صاحب اضافہ فرماتے ہیں۔

"اس کے بعد مولانا نے بعض متناقض و متعارض روایات متعلق تفسیر مثال میں پیش کی ہیں لیکن ان پر بحث نہیں کرسکے ہیں بحث کی جگہ بیاض چھوڑ دی ہے لیکن اُن کا مدعا واضح ہے۔ وہ ان لوگوں کے خیال کے مخالف ہیں جو

حدیث کو "ذکر منزل" کا درجہ دیں ۔ یا اس کے لئے اس حفاظت و صیانت کے مدعی ہوں جس کا ذکر "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" میں کیا گیا ہے ۔ یہ چیز صرف قرآن کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی محقق ایک لمحہ کے لئے بھی حدیث کو اس کے تحت داخل نہیں سمجھتا ۔ اس دعوے کے نتائج بلاشبہ خطرناک ہیں ۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا ان لوگوں کے خیال سے بھی اتفاق نہیں رکھتے جو بخاری و مسلم کی تمام مرویات کو ظن سے بالاتر سمجھتے ہیں اور یہ بات مولانا نے کوئی نئی اور عجیب نہیں کہی ہے ۔ حافظ ابن حجر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی ان کتابوں کو ظن سے بالاتر نہیں سمجھتے ۔ ظن سے بالاتر تو سمائے دنیا کے نیچے صرف ایک ہی کتاب ہے ۔" (معارف ص ۹۵-۹۴)

بعینہٖ یہی کچھ ہم کہتے ہیں لیکن جب ہم کہتے ہیں تو اسے ایک "نئی اور عجیب" بات قرار دیکر مردود اور مطعون سمجھا جاتا ہے ۔ اور ساری دنیا میں "منکرِ حدیث" اور کسی نئے دین کے مدعی مشہور کر دیا جاتا ہے ۔ اور وہی کچھ جب خود کہا جاتا ہے تو اسے عین دین اور اسلاف کا مسلک حقہ قرار دیا جاتا ہے ۔ اس ضد اور تعصب کا دنیا میں کیا علاج ۔ !

میں جو چپ بیٹھوں سڑی کہلاؤں　　شیخ چپ بیٹھے تو کل ٹھہرے

فرق صرف اتنا ہے کہ ہم جب ایک چیز کو ظنی تسلیم کرتے ہیں تو پھر (بتوفیق ایزدی) اس کی جرأت بھی رکھتے ہیں کہ علانیہ اسے کہدیں کہ ظنی چیز دین نہیں ہو سکتی لیکن یہ حضرات ہیں کہ ایک طرف ایک چیز کو ظنی بھی مانتے ہیں اور پھر اسے دین بھی تسلیم کئے جا رہے ہیں ۔ اسلئے کہ یہ لوگ اس ڈگر کو چھوڑ نہیں سکتے جس پر عوام تقلیداً چلے آ رہے ہیں کہ ان کی ہستی عوام کے ساتھ بہے چلے جانے میں ہے ۔ ذرا غور فرمائیے ۔ یہ حضرات ایک عیسائی کے خلاف یہ دلیل پیش کریں گے کہ چونکہ موجودہ انجیل ظنی ہے اسلئے وہ دین کا مدار نہیں قرار دی جا سکتی ۔ دین کے معاملہ میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن خود اپنا مسلک یہ ہے کہ ایک چیز کو ظنی بھی جانتے ہیں اور پھر اسے دین بھی تسلیم کئے جا رہے ہیں ۔

علامہ فراہیؒ کے اقتباسات سے (جو جناب اصلاحی نے پیش فرمائے ہیں) یہ واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک روایات کے مجموعے (حتیٰ کہ صحیحین بھی) شک و شبہ سے بالاتر نہیں، نہ ہی ان کا درجہ قرآن کے برابر ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ اللہ کی حفاظت کی ذمہ داری شامل ہے ۔ اب آگے چلئے تیسرا اقتباس ہے ۔

پس ہم کو صرف وہ روایتیں قبول کرنی چاہئیں جو قرآن کی تصدیق و تائید کریں۔" (معارف صفحہ ۹)

روایات کے صحیح اور وضعی ہونے کا یہی وہ معیار ہے جو ہم شروع سے پیش کر رہے ہیں اور جس کی طرف تمام اہل فکر کو دعوت دے رہے ہیں اور یہی وہ سب سے بڑا جرم ہے جس کی بناء پر ہمیں نکو بنایا جا رہا ہے۔

دوسرے مقام پر علامہ فراہیؒ فرماتے ہیں۔

"میں یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں بلکہ بطور تائید کے پیش کرتا ہوں۔ پہلے آیت کی تاویل مماثل آیات سے کرتا ہوں اس کے بعد تبعاً احادیث صحیحہ کا ذکر کرتا ہوں۔ تاکہ ان منکرین کو معارضہ کی راہ نہ ملے جنہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔" (معارف صفحہ ۹۰)

یعنی حدیثیں وہی صحیح ہیں جو قرآن سے متعارض نہ ہوں۔ لیکن اس کے باوجود علامہ فراہیؒ صحیح احادیث کو بطور اصل نہیں بلکہ بطور تائید کے پیش کرتے ہیں اسلئے کہ اصل دین قرآن ہے جو چیز اس کے مطابق ہے وہ اس اصل کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہے اصل کی جگہ نہیں لے سکتی۔ پھر علامہ فراہیؒ اپنا یہ مسلک بھی بیان فرماتے ہیں کہ وہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی کی دیگر مماثل آیات سے کرتے ہیں اس کے بعد روایات صحیحہ (یعنی وہ احادیث جو قرآن کے مطابق ہیں) اس تفسیر کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اسلئے پیش کرتے ہیں تاکہ جن لوگوں نے قرآن کو پس پشت ڈال رکھا ہے انہیں معارضہ کی راہ نہ ملے تفسیر قرآن میں یہی مسلک طلوع اسلام پیش کر رہا ہے۔ ہم بھی قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنے کے مدعی ہیں اور باقی چیزوں کو اس تفسیر کی تائید میں تبعاً پیش کرتے ہیں۔

آگے چلیئے۔ ایک اور اقتباس ہے۔

"اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خبر اگرچہ متواتر ہو قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اس کی یا تو تاویل کریں گے یا اس میں توقف کریں گے۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ اور عام اہل حدیث۔ حدیث کو قرآن کے لئے ناسخ نہیں مانتے۔ اگرچہ حدیث متواتر ہو۔ جب یہ ائمہ جو حدیث کے لئے صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں اس بات کے قائل نہیں ہوئے تو اس باب میں ہم فقہاء و متکلمین کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بات سے پناہ میں رکھے کہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ رسولؐ اللہ کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اس طرح کے مواقع میں تمام تر راویوں کے وہم اور ان کی غلطی کو دخل ہے۔ اور فریقین کے دلائل پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ

حق کیا ہے۔" (معارف صفحہ ۹۳)

ہمارا بھی یہی دعویٰ ہے۔ ہم بھی روایت کو قرآن کا ناسخ نہیں سمجھتے خواہ روایت متواتر ہی کیوں نہ ہو اور ان مواقع میں یہی مسلک رکھتے ہیں کہ ان روایات میں راویوں کے وہم اور اُن کی غلطی کو دخل ہے (معاذ اللہ) رسول اللہ صلعم قرآن کو منسوخ کرنے والا کوئی حکم نہیں دے سکتے تھے۔ علامہ فراہیؒ کے الفاظ میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ:۔

"جب قرآن اور حدیث میں اختلاف ہو تو اُس وقت حکم قرآن ہوگا۔" (معارف صفحہ ۹۴)

اب عملِ متواتر کے متعلق سنیئے۔ علامہ فراہیؒ کا اقتباس جو جناب اصلاحی نے درج فرمایا ہے حسب ذیل ہے۔

"اسی طرح تمام اصطلاحاتِ شرعیہ مثلاً نماز۔ زکوٰۃ۔ جہاد۔ روزہ۔ حج۔ مسجدِ حرام۔ صفا۔ مروہ اور مناسک حج وغیرہ اور اُن سے جو اعمال متعلق ہیں تواتر اور توارث کے ساتھ سلف سے لیکر خلف تک سب محفوظ ہیں۔ اس میں جو معمولی جزئی اختلافات ہیں وہ بالکل ناقابلِ لحاظ ہیں۔ شیر کے معنی سب کو معلوم ہیں اگرچہ مختلف ممالک کے شیروں کی شکلوں اور صورتوں میں کچھ نہ کچھ اختلافات ہیں[۱]۔ پس جو نماز مطلوب ہے وہ وہی نماز ہے جو مسلمان پڑھتے ہیں۔ ہر چند کہ اسکی ہیئت میں بعض جزئی اختلافات ہیں جو لوگ اس طرح کی چیزوں میں زیادہ کریدے کام لیتے ہیں وہ اس دینِ قیم کے مزاج سے بالکل ناآشنا ہیں جس کی تعلیم قرآن نے دی ہے۔" (معارف صفحہ ۹۴)

آگے چل کر ارشاد ہے۔

"پس جب ایسے الفاظ مصطلحہ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری حد اور تصویر قرآن میں بیان نہ ہوئی ہو (مثلاً صوم۔ صلوٰۃ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ) تو اخبارِ احادیث پر جامد نہیں ہونا چاہیئے ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شک میں پڑو گے، دوسروں کے اعمال کو غلط ٹھہراؤ گے۔ ان سے جھگڑو گے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جو اس کا فیصلہ کر سکے۔ ایسی صورتوں میں راہِ عمل یہ ہے کہ جتنے حصہ پر اُمت متفق ہے اتنے پر قناعت کرو۔ اور جن چیزوں کے بارے میں کوئی نصِ صریح اور متفق علیہ عمل ماثور موجود نہیں ہے ان میں اپنے دوسرے بھائیوں کی تخطیہ نہ کرو۔" (معارف صفحہ ۹۹-۱۰۰)

---

[۱] یہ مثال ہمارے نزدیک محلِ نظر ہے۔

ہمارا بھی یہی مسلک ہے اور طلوعِ اسلام کے صفحات اس پر شاہد ہیں لیکن ان لوگوں کا کیا علاج جن کا شیوہ یہ ہو کہ خواہ مخواہ دوسروں کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی جائیں جناب اصلاحی صاحب نے مندرجہ صدر اقتباسات درج اسلئے کئے ہیں کہ تصویر کا ایک رُخ دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو کہ طلوعِ اسلام والے نہ نماز کے قائل ہیں نہ روزے کے۔ وہ "منکرین حدیث" ہیں۔ اور اُمت سے الگ ایک نیا فرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ چنانچہ پہلے اقتباس کے شروع میں جناب اصلاحی صاحب تمہیداً فرماتے ہیں۔

"آج انکارِ حدیث کے فتنہ نے صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، قربانی سب کے انکار کی راہ کھولدی ہے" (معارف صفحہ)

اس کے بعد علامہ فراہیؒ کا وہ اقتباس ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ عملِ متواتر کی اتباع ضروری ہے۔ اقتباس کے بعد جناب اصلاحی صاحب پھر اپنا حاشیہ ان الفاظ میں چڑھاتے ہیں۔

"جس کتاب میں یہ فقرے بھی موجود ہوں اور انہی فصلوں کے اندر جن سے البیان وغیرہ نے اقتباسات لئے ہیں۔ اس کے مصنف کے مسلک کی نسبت کیا اشتباہ باقی رہ جاتا ہے" (معارف صفحہ ۹۷)

آپ نے غور فرمایا کہ اس تمہید و تکملہ کے ذریعہ کتنی بڑی غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے یعنی ثابت یہ کرنا چاہا ہے کہ طلوعِ اسلام (البیان کے ساتھ وغیرہ کا لفظ اس پر شاہد ہے) اس صوم و صلوٰۃ کا منکر ہے جس پر اُمت کاربند ہے اور انکارِ حدیث کا یہی فتنہ ہے جسے کچلنے کیلئے جناب اصلاحی اور اُن کے ہمصغیر حضرات مصروفِ جہاد ہیں۔ ہم جناب اصلاحی اور اُن کے ہمنوا حضرات کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ طلوعِ اسلام کے چار سال کے فائل سے ایک لفظ بھی ایسا نکال کر دکھا دیں جس میں یہ لکھا گیا ہو کہ وہ صوم و صلوٰۃ جو اُمت میں سلف سے لیکر خلف تک تواتر اور توارث کے ساتھ چلا آرہا ہے اُسکی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اس کے برعکس ہم صفحات پر صفحات ایسے پیش کر دیں گے جن میں یہ لکھا گیا ہو کہ ان اعمالِ متواترہ میں کسی قسم کا ذرہ برابر ردّ و بدل بھی جائز نہیں اور یہ کہ مسلمانوں کی اصلاح اور بہبود انہی اعمال پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہونے سے ہو سکتی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ان حضرات کو اس قسم کی بہتان تراشی اور غلط پروپیگنڈے کے وقت یہ کیوں خیال نہیں رہتا کہ بالآخر ایک دن خدا کے سامنے بھی جانا ہے۔

علامہ فراہیؒ کے اقتباسات جناب اصلاحی کے الفاظ میں آپ کے سامنے ہیں۔ ان پر غور کیجئے اور پھر خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ ہم نے وہ کونسا جرم کیا تھا جس کی تردید کے لئے جناب اصلاحی کو اتنے جوش و خروش کی ضرورت پڑ گئی۔ خود اُن کے پیش کردہ

اقتباسات سے بھی وہی بات ثابت ہو گئی جو ہم کرنا چاہتے تھے یعنی یہ کہ علامہ فراہیؒ کے نزدیک بھی روایات ظن وشبہ سے بالاتر نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اُس بھائی کی بات بڑی جچی تلی ہے جن کا مکتوب گرامی طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت میں شائع کیا گیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ان تردید کرنے والے حضرات کا بھی روایات کے متعلق وہی خیال ہے جو طلوعِ اسلام کا ہے ۔ فرق اتنا ہے کہ طلوعِ اسلام میں بات کو نکھار کر سامنے لایا جاتا ہے اور یہ حضرات کچھ اسطرح پیچ بچا کر سمٹ سمٹا کر ۔

مُنہ موڑ کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

بات کرنا چاہتے ہیں جس سے عوام کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ حضرات مسلکِ عامّہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں ۔ مثلاً مضمون زیرِ نظر میں اصلاحی صاحب نے خود دیکھ لیا کہ اُن کے اُستاذ امام (علامہ فراہیؒ) روایات کو ظنی مانتے ہیں حتیٰ کہ صحیحین کو بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں سمجھتے ۔ اور یہی وہ چیز ہے جو طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے لیکن اس کے بعد بجائے اس کے کہ وہ یہ لکھتے کہ اس باب میں طلوعِ اسلام کے مسلک کی تائید علامہ فراہیؒ کے خیالات سے بھی ہوتی ہے ۔ انہوں نے پہلو بدلا اور فرمایا ۔

"لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ اگر بخاریؒ و مسلمؒ ظن سے بالاتر نہیں ہیں تو رد کر دینے کے قابل ہیں ۔ جن لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے انہوں نے پہلی غلطی سے ہزار درجہ بڑھ کر غلطی کی ہے اور افسوس ہے کہ یہ لوگ بھی اپنی غلطی کے نتائج سے بے خبر ہیں ۔" (معارف صفحہ ۹۴)

ہم پوچھتے ہیں کہ کون یہ کہتا ہے کہ "چونکہ بخاریؒ و مسلمؒ ظن سے بالاتر نہیں ہیں اسلئے رد کر دینے کے قابل ہیں ۔" جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ صرف اتنا ہے کہ چونکہ یہ ظن سے بالاتر نہیں اسلئے ان میں کی ہر روایت قابلِ قبول نہیں ۔" ہم کو صرف وہ روایتیں قبول کرنی چاہئیں جو قرآن کی تصدیق و تائید کریں ۔" اور "جب قرآن اور احادیث میں اختلاف ہو تو اس وقت حکم قرآن ہو گا ۔" اور یہ کہ "روایات کو بطور اصل نہیں بلکہ بطور تائید کے پیش کرنا چاہئے ۔" کہ دین کی اصل قرآن ہے ۔ ہم نے وادین میں جو الفاظ لکھے ہیں وہ خود علامہ فراہیؒ کے ہیں ۔ فرمائیے ! کیا غلطی ہے اس میں ؟ غلطی ہماری ہے یا اُن لوگوں کی جو روایات کے مجموعوں کو ظن و شبہ سے بالاتر بھی قرار نہیں دیتے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں دینی حجت بھی قرار دیئے جا رہے ہیں ۔ !

باقی رہے غلطی کے نتائج ۔ سو ہم تو اپنی اس "غلطی" کے نتائج سے باخبر ہی نہیں بلکہ لذت آشنا بھی ہو چکے ہیں جو ہم نے حق بات کو واضح اور نکھرے ہوئے الفاظ میں کہہ دینے سے کر دی ہے ۔ لیکن یہ تو نگاہ کا فرق ہے آپ کی مصلحت کوشیاں آپ کو مبارک

آپ کی نصیحت کا شکریہ۔ لیکن آپ اِن غلطیوں کے نتائج کو کیا جانیں۔

سرِ مدِ غم عشق بو الہوس را ندہند | سوزِ دلِ پروانہ مگس را ندہند

ہم اس مسلک سے بھی واقف ہیں کہ:۔

بدریا در منافع بے شمار است | وگر خواہی سلامت بر کنار است

لیکن اس کا کیا علاج جسے قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہو۔ کہ

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا | نوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و باموجش در آویز | حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

بہرحال۔ ہم نے اب تو اپنا مسلک علامہ فراہیؒ کے ان اقتباسات کی روشنی میں بھی واضح کر دیا ہے جنہیں جناب اصلاحی صاحب نے پیش کیا ہے۔ خدا کرے کہ اب اس کے بعد کوئی اور صاحب ایسے نہ آجائیں جو کہیں کہ اصلاحی صاحب نے علامہ فراہیؒ کے اقتباسات کو صحیح انداز میں پیش نہیں کیا اور طلوعِ اسلام نے بغیر تحقیق کئے ان پر بھروسہ کر لیا۔؟ اس صورت میں ہمارے لئے مشکل ہو جائیگی اسلئے کہ اصل کتاب اب بھی ہمارے سامنے نہیں۔ اگر خدا توفیق عطا فرمائے تو اتنی سی بات ہی روایات کے متعلق صحیح مسلک اختیار کرنے کے لئے کافی ہو سکتی ہے یعنی جب تک کسی بات کا مقابلہ کہنے والے کے **اصلی الفاظ** سے نہ کر لیا جائے اس وقت تک وہ بات یقینیات کے درجہ میں داخل نہیں ہو سکتی ظنی ہی رہیگی۔ اور چونکہ رسول اللہ صلعم کے **اصلی الفاظ** ہمارے سامنے نہیں ہیں (نہ اُن کے سامنے تھے جنہوں نے روایات کے موجودہ مجموعے مرتب فرمائے) اسلئے روایات یقینیات میں داخل نہیں ہو سکتیں ظنیات میں رہیں گی۔ اور ان کے غلط اور صحیح ہونے کا معیار یقینی شے (یعنی قرآن کریم) ہی ہوگا۔

صلہ درحقیقت مسلمہ ہے کہ احادیث میں تواترِ لفظی نہیں بلکہ تواترِ معنوی ہے۔ یعنی رسول اللہؐ کے الفاظ ہم تک نہیں پہنچے اُن کا مفہوم پہنچا ہے۔

عبادت

جناب ضیاء الدین صاحب

سامنے میز پر گھڑی رکھی تھی۔ شیشہ ٹوٹا ہوا اور منٹ کی سوئی غائب۔ گھنٹے کی سوئی پر میری نگاہ تھی اور میں ایک گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس میں کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک سے دو اور دو سے تین پر جا پہنچی۔ میں نے سوچا کہ بعض تغیرات ذہنِ انسانی میں بھی کچھ ایسے تدریجاً اور غیر شعوری طور پر رونما ہوتے ہیں کہ جب تک ان کا مجموعی اثر ایک نمایاں انقلاب کی شکل میں ظاہر نہیں ہو جاتا یہ محسوس ہی ہونے نہیں پاتا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ عمل میں آ رہا ہے۔ ذہنی انقلاب کے یہ تخریبی اور تعمیری مراحل دریا کی پرسکوت روانیوں کی طرح کچھ ایسے غیر مرئی طور پر طے پا جاتے ہیں کہ جو خطوط ابتداً نقوش بر آب سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے وہی ایک عرصہ کے بعد ایک محکم حصارِ سنگیں کی بنیادیں بن جاتے ہیں۔ تاریخ انسانیت میں اس قسم کے غیر محسوس اور غیر مرئی تغیر و تبدل کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے آسکتی ہیں لیکن جو انقلاب اسلام کے متعلق مسلمانوں کے ذہن میں رونما ہوا ہے۔ شاید ہی اس کی نظیر کہیں مل سکے۔ اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک مکمل نظامِ حیات تھا۔ آجکل کی اصطلاح میں یوں سمجھیئے کہ ایک عالمگیر دولتی نظام A Universal System of State تھا۔ لیکن وہ اپنے اس صحیح اور بلند ترین مقام سے آہستہ آہستہ۔ غیر محسوس طور پر منتقل ہوتے ہوتے ایک **دھرم** (Religion کی شکل اختیار کر گیا۔ تاریخ انسانیت کا یہ ایک ایسا تحیر انگیز انقلاب ہے جس پر ہر دیدۂ عبرت خونفشاں اور ہر قلب حساس طلسمِ پیچ و تاب بن کر رہ جاتا ہے۔ جب **اسلام** کا مقابلہ مذاہب عالم (یعنی دنیا کے **دھرموں**) کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی اسے ہندو مت۔ بدھ مت۔ جین مت۔ عیسائیت۔ یہودیت۔ زرتشتیت وغیرہ **مذاہب** (دھرم) کے سامنے لایا جاتا ہے تو دیدۂ بینا میں ایک خفیف سی ہنسی پھر جاتی ہے کہ کیا چیز کیا بن کر رہ گئی ہے۔

انقلابات ہیں زمانے کے

اسلام '**دھرم**' (باصطلاح عوام مذہب) نہیں اس لئے مختلف دھرموں سے اس کا تقابل و توازن کیا؟ یہ ایک نظامِ زندگی ہے۔ یا سمجھنے کے لئے یوں کہیئے کہ نظام حکومت ہے اس لئے اس کا مقابلہ کیا جائیگا ان نظامہائے حکومت، سے جو ذہن انسانی نے آج تک وضع کئے ہیں اور یوں بتایا جائے گا کہ نظام آسمانی زمین کے نظامہائے حکومت سے کس طرح

فائق اور برتر ہے۔ اسلام ایک **دین** ہے۔ نظام اطاعت ہے۔ **دھرم** نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے اطاعت کے مختلف نظام یعنی حکومت کی مختلف شکلیں (Various forms of Govt:) سامنے لائی جائیں گی شخصی حکومت (Autocracy) جمہوری حکومت (Democracy) آمریت (Dictatorship) آئینی ملوکیت (Constitutional Monarchy) یا اسی قسم کے دیگر نظام ہائے حکومت جو انسانوں نے وضع کئے ہیں۔ اسلام کا مقابلہ ان کے ساتھ کیا جائے گا۔ یا مختلف آئینی نظامِ اجتماعیہ مثلاً سوشلزم۔ نازی ازم۔ فاشی ازم کیپٹل ازم (سرمایہ داری وغیرہ) کے ساتھ اسلام کے نظام اجتماعیہ کا موازنہ کیا جائے گا۔ اور یوں ثابت کیا جائے گا کہ اسلام کس طرح فطرتِ انسانی کے مطابق نظامِ اجتماعیہ یا نظام حکومت ہے۔ اسلام کو ایک دھرم (باصطلاح عوام مذہب) تسلیم کرنے سے اسلام اپنے صحیح مقام سے گر کر کسی اور مقام میں جا پہنچتا ہے اور جب اس کے متعلق نگاہ میں ایک مرتبہ یہ بنیادی فرق پیدا ہو گیا تو اس کے بعد اس کے متعلق جو کچھ سمجھا جائے گا وہ اس نئے مقام سے متعلق ہو گا۔ اس لئے اصلی مقام سے اس کا کچھ واسطہ نہ ہو گا۔ اسلام کے متعلق مسلمانوں کی نگاہوں میں اتنی بڑی بنیادی تبدیلی کس طرح پیدا ہو گئی؟ یہ ایک داستان ہے بڑی دلخراش اور ایک حدیثِ الم ہے۔ بڑی جانگداز۔ اس کے لئے تیرہ سو سال کی مسلمانوں کی تاریخ نہیں بلکہ اسلام کی تاریخ پر گہری نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ گہری اس لئے کہ یہ تبدیلی اسی طرح غیر مرئی اور غیر محسوس طور پر واقعہ ہوئی ہے جیسے گھڑی کی گھنٹے کی سوئی غیر محسوس طور پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا پہنچتی ہے۔ یہ تبدیلی کس طرح ہوئی۔ سردست اس کو چھوڑیئے۔ دیکھئے صرف یہ کہ تبدیلی ہوئی اور ایسی محکم بنیادوں پر ہوئی کہ آج ہم میں یہ احساس بھی نہیں رہا کہ اسلام **دھرم** نہیں تھا۔ کچھ اور تھا!

دھرم سے مفہوم یہ ہے کہ انسان پرستش یعنی پوجا پاٹ۔ کے لئے کسی شے (Object) کو تجویز کرتا ہے۔ اس کے سامنے ماتھا ٹیکتا ہے۔ پرستش کی رسوم وضع کرتا ہے۔ یہ پرستش کی شے کوئی پتھر ہو یا مظاہر فطرت میں سے کوئی چیز۔ اجرامِ سماوی ہوں یا کوئی دوسرا انسان فرشتے ہوں یا خدا۔ کچھ بھی ہو اور کوئی بھی ہو۔ انسان اور اس کے درمیان تعلق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے پرستش کی چیز (Object of Worship) ہوتا ہے اور یہ اُس کا پرستار یعنی پوجنے والا (Worshipper) جب اس کے سامنے ماتھا ٹیک دیا۔ پوجا کی رسومات ادا کر دیں تو اس کا اور اُس کا تعلق ختم ہو گیا۔ باقی رہی دنیائے معاملات۔ تو اس کے لئے اخلاقیات کی چند چیزیں ہیں جو عام طور پر ہر جگہ مشترک پائی جاتی ہیں مثلاً جھوٹ نہ بولو۔ چوری نہ کرو۔ حرامکاری سے بچو۔ کسی کو دکھ نہ دو۔ وغیرہ۔ وہ ہے خدا پرستی اور یہ ہے نیک عملی۔ اس کا نام ہے دھرم اور ظاہر ہے کہ اس

اعتبار سے تمام دہرم برابر ہیں۔ اور چونکہ اسلام کو بھی ایک دہرم خیال کر لیا جاتا ہے اس لئے انسان اس فریب کا شکار ہو جاتا ہے کہ دنیا میں تمام مذاہب یکساں ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک دہرموں کا تعلق ہے تمام دہرم یکساں ہیں۔ لیکن، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اسلام دہرم نہیں ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام سمیت تمام مذاہب (دہرم) یکساں ہیں۔

اسلام میں خدا پوجا پاٹ کی شے (Object of Worship) نہیں بلکہ حاکم اعلیٰ (Head of the State) ہے ایسا حاکم جو حاکمِ مطلق ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان پرستار اور پرستیدہ کا تعلق نہیں بلکہ حاکم اور محکوم کا تعلق ہے۔ دین سے مفہوم خدا کی پرستش نہیں بلکہ خدا کی حاکمیت کا عملی اقرار ہے یہاں نیک عملی سے مقصود ایک **ضابطۂ اخلاق** کی پیروی نہیں جو ہر جگہ یکساں ہے۔ حتیٰ کہ جو لوگ خدا کی ہستی کے منکر ہیں ان کے ہاں بھی وہی ضابطۂ اخلاق موجود ہے۔ اسلام میں نیک عملی سے مراد اس **ضابطۂ قانون** کی اطاعت ہے جو خدا کی حکومت کا دستور اساسی ہے۔ اسلام کا تقابل، ضوابطِ اخلاق سے نہیں بلکہ دنیا کے ضوابطِ قوانین و دساتیر سے ہے۔ نظامِ حکومت اور آئینِ سلطنت سے ہے اخلاقی ضابطہ تو اس ہمہ گیر ضابطۂ قانون کا ایک گوشہ ہے اس نظامِ حکومت (دین) اور دنیا کے دیگر نظام ہائے حکومت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ یہاں قانون سازی کا اختیار کسی انسان کو نہیں۔ یہ حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ انسان اس قانون کو نافذ کرنے کے لئے ہیں، یہ ہے وہ امتیازی خصوصیت جو کسی اور نظام حکومت کو حاصل نہیں۔

جب کسی تعلیم کے اصول و مبادیات کا مفہوم بدل جائے تو ان کے متعلقات کا مفہوم خود بخود بدل جاتا ہے جب اسلام، دین سے بدل کر دہرم ہو گیا تو اس کی اصطلاحات کے معانی میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ جب خدا کا تصور ایک حاکم مطلق کا تھا تو اس کی **عبادت** سے مفہوم اس کی **محکومیت** تھی۔ جب وہ ایک پوجا کی چیز (Object of Worship) بن گیا تو عبادت کے معنی بھی پوجا اور پرستش کے رہ گئے۔ آج اگر کسی کے متعلق کہا جائے کہ وہ بڑا عبادت گذار ہے تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے فوراً آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ آجاتا ہے کہ وہ خدا کی بڑی **پرستش** کرتا ہے۔ نوافل پڑھتا ہے۔ تسبیح پھیرتا ہے۔ زاہد شب زندہ دار ہے۔ صائم الدہر ہے۔ ایک گوشے میں بیٹھا ذکر و فکر میں مستغرق رہتا ہے۔ یعنی **دہرم** میں جتنی چیزیں **بھگتی** کی تھیں۔ ان سب پر کاربند ہے۔ اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہ محکوم کس کا

ہے۔ آپنے غور فرمایا کہ ایک لفظ (عبادت) کا مفہوم بدلنے سے کس طرح سارے کا سارا نظام نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اوجھل ہی نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے نظام میں بدل گیا جو اصل نظام سے یکسر مختلف تھا۔ حالانکہ لفظ **عبادت** کے معنی محکومیت ہیں۔ پوجا اور پرستش نہیں۔ عبد کے معنی ہیں غلام۔ بندہ۔ محکوم۔ جب حضرت موسےٰؑ (اور حضرت ہارون علیہ) نے فرعون کو ایمان کی دعوت دی ہے تو اس نے اور اس کے ارباب حل و عقد نے یہ کہکر اس دعوت کو مسترد کیا تھا۔ بلکہ اس کی تخفیف کی تھی۔ کہ ہم اس قوم کے نمائندوں کی دعوت کو کیسے قبول کریں جو خود ہماری محکوم ہے

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ط (۲۳/۴۷)

انھوں نے کہا کہ کیا ہم ان دو اپنے جیسے آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ حالانکہ ان کی قوم ہماری محکوم ہے۔

یعنی دعوتِ ایمان دینے والے آدمی بالکل ہماری طرح کے انسان ہیں (فوق البشر دکھائی نہیں دیتے) اور اس قوم کے فرد ہیں جو خود ہماری محکوم[1] ہے۔ یہاں **عابد** کے معنی واضح ہیں۔ اسی داستان کے دوسرے ٹکڑے میں ہے کہ فرعون نے حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ تم بھی بڑے احسان ناشناس اور مروت فراموش ہو۔ میں نے تم پر اور تمہاری قوم پر اس قدر احسانات کئے ہیں اور تم ان احسانوں کا بدلہ یہ دے رہے ہو؟ حضرت موسےٰؑ نے فرمایا کہ جی ہاں! میں آپ کے ان احسانات سے خوب واقف ہوں۔ یہ احسانات ایسے ہی ہیں جیسے ایک قصاب بکری کو گھاس اور دانہ دیکر اس کی پرورش کا احسان جتائے!

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶/۲۲)

کیا یہی وہ نعمتیں ہیں جن کا تم مجھ پر احسان دھر رہے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے!

عَبَّدْتَّ کے معنی واضح ہیں یعنی تو نے انھیں اپنا محکوم بنا رکھا ہے۔ لہٰذا عبد اور عابد کے معنی ہیں **محکوم معبود** کے معنی ہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے اور **عبادت** کے معنی ہیں محکومیت۔ فارسی میں عبد کے معنی بندہ اور عبادت کے معنی **بندگی**۔ اپنا مفہوم ادا کر سکتے تھے۔ لیکن یہی **بندگی** ہندوستان میں آکر پوجا اور پرستش بن کے رہ گئی۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر صرف تعظیم اور ڈنڈوت کے معنی میں استعمال ہونے لگ گئی۔ اب

---

[1] کتنی بڑی حقیقت ہے۔ محکوم قوم لاکھ صداقتوں کی حامل ہو۔ کوئی اس کی دعوت پر سنجیدگی سے غور کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ اس کا محکوم ہونا ہی ہزار عیب کا ایک عیب ہے۔

غلامی کیا ہے! ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی۔ جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا۔

بندگی کے معنی پرستش سے زیادہ کچھ نہیں۔ محکومیت کا تصور نہ لفظ عبادت کے اندر رہ گیا ہے نہ بندگی کے اندر۔ سورۃ کہف میں انسانوں کو یہ حکم دیا کہ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا (۱۱۰/۱۸) (انسان کو چاہیئے کہ) اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرے اور اسی سورۃ کے شروع میں خود اپنے متعلق فرمایا کہ لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا (۲۶/۱۸) وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا یعنی اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (۴۰/۱۲) حکومت صرف اللہ کے لئے ہے اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ (۴۰/۱۲) - اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے سوائے کسی اور کی محکومیت نہ اختیار کی جائے۔ (تَعْبُدُوْا) ان مقامات سے عبادت کے معانی بالکل صاف طور پر سامنے آجاتے ہیں یعنی عبادت کے معنی محکومیت کے ہیں۔ "خدا کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو" یعنی اُس کے سوا کسی اور کی محکومیت اختیار نہ کرو۔ اسلئے کہ "حکومت صرف اللہ کے لئے ہے" اور اسی کا حکم ہے کہ "اس کے سوا اور کسی کی محکومیت اختیار نہ کرو"۔ یہی قرآن کریم کی دعوت ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۲/۲۱)

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے اُس رب کی محکومیت اختیار کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور اُنہیں بھی جو تم سے پہلے ہو گذرے۔ تاکہ تم تقویٰ شعار ہو جاؤ۔

اور یہ دعوت کوئی نئی دعوت اور یہ پکار کوئی انوکھی پکار نہیں۔ بلکہ شروع سے سلسلۂ انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی دعوت اور یہی صدائے ربانی رہی ہے کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت کو تسلیم نہ کرو۔ یہ انسانیت کی انتہائی ذلت ہے کہ انسان اپنے جیسے انسانوں کا محکوم ہو جائے۔ محکوم اس کا ہونا چاہیئے جو اپنے سے بلند و بالا ہو۔ اور انسان سے بلند صرف خدا کی ذات ہے ہر رسولؑ کا یہی پیغام اور ہر نبیؑ کی یہی تعلیم تھی اسلئے یہ پیغام، پیغامِ خداوندی اور یہ تعلیم، تعلیمِ ایزدی تھی۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ - (۲۶/۱۱)

کہ اللہ کے سوا اور کسی کی محکومیت اختیار نہ کرو۔

یہی حضرت ہودؑ نے فرمایا

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (۵۰/۱۱)

کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی محکومیت اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی اِلٰہ (حاکم) نہیں۔

انہی الفاظ میں حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو پیغامِ خداوندی پہنچایا۔ (۶۱/۱۱) یہی حضرت شعیبؑ نے فرمایا (۸۴/۱۱)

حضرت یوسفؑ نے قید خانہ کی چار دیواری میں جو وعظ فرمایا وہ خدا اور بندے کے اسی تعلق کو واضح کرنے کے لئے تھا انہوں نے اپنے ساتھی قیدیوں سے پوچھا کہ کہو ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۱۲/۳۹ -
کیا الگ الگ آقاؤں کا ہونا اچھا ہے یا اللہ کا جو یگانہ ہے اور سب پر غالب ہے؟ اس کے بعد فرمایا کہ تم لوگوں نے جن کی محکومیت اختیار کر رکھی ہے انہیں درحقیقت انسانوں کو اپنا غلام اور محکوم بنانے کا کوئی حق نہیں - ان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں جیسے تھیٹر کے تماشے میں کسی کا نام بادشاہ رکھ لیا جاتا ہے کسی کا نام وزیر۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت بادشاہ یا وزیر نہیں ہوتے - یاد رکھو

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۱۲/۴۰

حکومت صرف اللہ کے لئے ہے

اس کے بعد جو کچھ فرمایا اس سے **عبادت** کا مفہوم بالکل نمایاں ہو جاتا ہے

أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۱۲/۴۰

اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبودیت اختیار نہ کرو

ان دونوں ٹکڑوں کو پھر ملا سیئے یعنی (۱) حکومت صرف اللہ کے لئے ہے - اور (۲) اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبودیت اختیار نہ کرو - (تَعْبُدُوا) ظاہر ہے کہ عبادت سے مفہوم محکومیت کے سوا اور کچھ نہیں ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۱۲/۴۰ یہی محکم اور سیدھا نظامِ اطاعت (دین) ہے وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۱۲/۴۰ لیکن (مشکل یہ ہے کہ) بہت سے لوگ (اس حقیقت سے) واقف نہیں وہ نہیں جانتے کہ انسانوں کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ دوسرے انسانوں پر حکومت کریں إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ حکومت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے - وہ تھیٹر کے ایکٹر کو سچ مچ کا بادشاہ سمجھ لیتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ خوف کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز محض لاعلمی پر مبنی ہے (لَا يَعْلَمُونَ) علم آجانے کے بعد۔ یعنی اپنی حقیقت اور دوسرے انسانوں کی اصلیت معلوم ہو جانے کے بعد یہ نہیں سکتا کہ انسان خدا کے سوا اور کسی کی حکومت کو جائز تسلیم کرے - وحدتِ خلق کا وہ عظیم الشان نظریہ جسے قرآن کریم نے اس بلند آہنگی سے پیش کیا ہے اور جس کی تصدیق و تائید آج علم الانسانی کے انکشافات بدلائل و براہین کر رہے ہیں اسی حقیقت عظمیٰ کا آئینہ دار ہے کہ انسان میں اخوت و مساوات کا تعلق ہے - حاکم اور محکوم کا رشتہ نہیں۔ حکومت **غالب** کی ہو سکتی ہے اور غالب (قہار) صرف خدا کی ذات ہے - کائنات کی ہر شے انسان کے سامنے سجدہ ریز ہے - یہ سجودِ ملائک اور مخدوم نوامیس فطرت ہے - اس لئے ان چیزوں کے سامنے جھکنا انسانیت کی تذلیل ہے - اور انسان سب برابر ہیں۔ برابر والے کی محکومیت

اس کی اور اپنی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ بس ایک خدا کی ہستی باقی رہ جاتی ہے جو انسانوں سے ارفع و اعلیٰ اور غالب و بالادست ہے۔ محکومیت اسی کی جائز اور بجا ہو سکتی ہے ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

عبادت یعنی محکومیت کے متعلق تمام انبیائے سابقہ علیہم السلام اسی ایک حقیقت کو بار بار دہراتے رہے اور یہی وہ حقیقت کبریٰ تھی جس کا مکمل اور آخری اعلان حضور سرور کائنات صلعم کی وساطت سے تمام نوعِ انسانی میں کیا گیا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ ۱۷/۲۳

اور تیرے رب نے یہ بات ٹھیرا دی ہے کہ اسکے سوا اور کسی کی عبودیت اختیار نہ کرو۔

خدا کی حکومت کو چھوڑ کر عام انسانوں کی محکومیت تو ایک طرف۔ قرآن کریم نے انتہائی شکل کو سامنے لا کر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں کو اپنا محکوم بنالے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ ۳/۷۹

کسی انسان کو یہ بات زیبا نہیں کہ اللہ اُسے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے (محکوم) ہو جاؤ بلکہ وہ یہی کہے گا کہ تم ربانی ہو جاؤ۔ اسلئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہتے ہو۔ اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا ضابطہ قوانین رسولوں کی وساطت سے انسانوں تک پہنچایا اور رسولوں کو ان قوانین کے نافذ کرنے کی قوت بھی عطا فرمائی۔ تاکہ وہ عملاً خدا کی حکومت کو دُنیا میں رائج کر کے دکھا دیں۔ یہی ان حضرات علیہم السلام کا منصب تھا۔ اس لئے عام انسان تو ایک طرف، ان حضرات انبیاء عظام کے لئے بھی یہ سزاوار نہ تھا کہ وہ یہ شیوہ اختیار کر لیں۔ (اور نہ ہی ان میں سے کسی نے ایسا کیا) کہ وہ خدا کی محکومیت کے بجائے لوگوں کو اپنے احکام کا مطیع و فرماں پذیر بنائیں۔ ان کی دعوت یہی تھی کہ سب لوگ خدا کے محکوم بن جائیں۔ اور خدا کی محکومیت کا ذریعہ وہ ضابطہ قوانین (کتاب) ہے جو اس نے بغرض اطاعت نازل فرمائی ہے۔ (بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ) اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے تین آیتوں کے بعد فرمایا کہ:۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ [۳:۸۳]

پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نظامِ اطاعت (دین) چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام تلاش کر لیں؟ حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے خوشی سے ہو یا ناخوشی سے سب اسی کے حکم کے فرماں بردار ہیں۔ اور بالآخر سب اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

یعنی یہ نظامِ حکومتِ الٰہیہ عین تقاضائے فطرت ہے۔ کائنات کی ہر شے اللہ ہی کے ضابطۂ قوانین کے تابع اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں سرگرداں ہے۔ کوئی شے نہ اس کی محکومیت سے سرتابی کر سکتی ہے نہ کسی دوسرے کی محکومیت اختیار کر سکتی ہے۔ جب کائنات کی ہر شے کی یہی فطرت اور یہی آئین ہے تو پھر انسان کے لئے کوئی اور آئینِ حکومت اور نظامِ اطاعت (دین) کیوں ہو؟ اگر انسان ایسا شیوہ اختیار کریں گے تو اس غیر فطری نظامِ زندگی کی سزا بھگتیں گے۔ اللہ کے میزان میں اُن کی یہ روشِ زندگی ناقابلِ قبول ہو گی۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ [۳:۸۵]

اور جو کوئی اِسلام (نظامِ حکومتِ خداوندی) کے علاوہ کسی اور نظامِ اطاعت (دین) کا خواہشمند ہو گا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

خدا کی اطاعت و محکومیت کے علاوہ کوئی بھی نظامِ اطاعت و حکومت ہو۔ سب غیر فطری اور غیر اسلامی ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں ایسے نظام کا نام **طاغوتی نظام** یعنی غیر اللہ کا نظام ہے۔ جو خدا کی حکومت سے سرکشی اختیار کرکے کوئی اور نظامِ اطاعت و حکومت قائم کرے وہی **طاغوت**[۱] ہے۔ اس لئے حکومتِ خداوندی کا اقرار اور ہر طاغوتی نظامِ اطاعت کا انکار، دینِ فطرت ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا [۲:۲۵۶]

اور جس نے طاغوت سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے بلاشبہ محکم شاخ کو پکڑ لیا۔ جو ٹوٹ نہیں سکتی۔

یہ خدا کا اقرار اور غیر خدا کا اِنکار ہے۔ اس اقرار اور انکار کی تشریح دوسرے مقام پر اس طرح ملتی ہے۔ سورۃ نساء میں ہے۔

---

[۱] طاغوت۔ کل معبود من غیر اللہ (امام راغب) اللہ کے سوا ہر معبود (جس کی محکومیت اختیار کی جائے) طاغوت ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۔ ۴/۵۹

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحب اختیار بنائے گئے ہوں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی بات میں اختلاف (تنازع) پیدا ہو جائے تو چاہیئے کہ اللہ اور اُسکے رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے۔

یعنی خدا اور آخرت پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ تم خدائی نظام کی اطاعت اختیار کرو اور اپنے تمام اختلافات و نزاعات کے رفع کرنے کے لئے اسی مرکز اطاعت و تسلیم کی طرف رجوع کرو۔ خدا پر ایمان لانے سے خدا اور بندے کے درمیان یہ تعلق پیدا ہونا چاہئے یعنی حاکم اور محکوم کا تعلق نہ یہ کہ خدا کو ایک پرستش کی شے Object of Worship سمجھ کر اس کی پوجا کر لی اور اپنے معاملات میں غیر خدائی نظام کی طرف رجوع کیا۔ یہ تو خدا کے بجائے طاغوت پر ایمان کے مرادف ہے جس سے انکار کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت مندرجہ صدر سے اگلی آیت میں فرمایا

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓاْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ۞ ۴/۶۰

کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تجھ سے پہلے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن (عملاً یہ حالت ہے) کہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات میں فیصلہ غیر خدائی نظام (یعنی طاغوت) سے کرائیں۔ حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ طاغوت سے انکار کریں۔ اور دراصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ اُنہیں اس طرح گم کر دے کہ راہ راست سے بہت دور جا پڑیں۔

ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجئے کہ اللہ پر ایمان اور طاغوت سے انکار کے معنی کیا ہیں؟ خدا کے قانون سے فیصلے طلب کرنا۔ یہ ہے خدا پر ایمان اور اسکی عبودیت اور غیر خدا سے معاملات کے تصفیے کرانا۔ یہ ہے طاغوت پر ایمان۔

اُس کی محکومیت ، پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خدائی قانون کی محکومیت کے صراطِ مستقیم سے گمراہ کر کے تحاکم الی الطاغوت (غیر خدائی نظام کی محکومیت) کے غلط راستہ پر لے جائے ایسا غلط راستہ جس پر چلنے سے تم صحیح راستہ سے بہت دُور جا پڑو۔ یعنی یہ دونوں راہیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد (Diametrically Opposit) ہیں۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تم طاغوتی نظام اختیار کرو۔ اسلئے کہ یہ خود شیطان کا نظام ہے اور خدائی نظام کے مخالف۔ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ (۲/۱۶۹) شیطان تمہیں بُرائی اور فواحش کا حکم دیتا ہے اس کے برعکس۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (۷/۲۸) یقیناً اللہ فواحش کا حکم کبھی نہیں دیتا۔ بلکہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ..... وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (۱۶/۹۰) یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور فواحش و منکر سے روکتا ہے۔ یعنی اللہ جس بات کا حکم دیتا ہے شیطان اُس سے روکتا ہے اور جس بات سے اللہ روکتا ہے شیطان اُسے اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ خدا اور شیطان کے نظام ایک دوسرے سے متخاصم اور اُن کے فیصلے ایک دوسرے سے متضاد و متخالف ہوتے ہیں۔ اسلئے قرآن کریم نے جہاں خدا کی عبادت (محکومیت) کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہی شیطان کی عبادت (محکومیت) سے منع کیا ہے۔

اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۳۶/۶۰-۶۱

اے نوعِ انسانی! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبودیت اختیار نہ کرنا۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری ہی عبودیت اختیار کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے۔

یہاں "عبادت" کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ اگر (لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ) کے معنی یہ لئے جائیں کہ تم نے شیطان کی پرستش نہ کرنا تو اس سے مطلب کچھ نہیں نکلتا۔ اسلئے کہ دُنیا میں کون ہے جو شیطان کی پرستش (WORSHIP) کرتا ہے۔؟ شیطانی احکام مانے جاتے ہیں، طاغوتی نظام کی اطاعت اختیار کی جاتی ہے لیکن شیطان کی پرستش تو کہیں نہیں ہوتی۔ عراق میں موصل کے قریب ایک باطنی قسم کے فرقہ (یزیدی) کے متعلق مشہور ہے کہ وہ شیطان کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن تحقیقات نے یہ بتا دیا ہے کہ وہ بھی درحقیقت شیطان کی پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے

خوف کی وجہ سے اس کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا تو رحیم و کریم ہے اس لئے اس سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن شیطان سے ضرور خوف کھانا چاہیئے کہ وہ بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ اسی لئے شیطان کو مشیطان نہیں کہتے بلکہ اس کا نام "ملک طاؤس"[1] رکھ چھوڑا ہے۔ یہ غالباً شیطان لعین کے حضرت آدمؑ کو بہکانے کی روایت کی طرف تلمیح ہے۔ بہرحال مقصد یہ تھا کہ شیطان کی پرستش (پوجا) کوئی نہیں کرتا اس لئے (لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ) کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کی اطاعت نہ کرو" لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط ۲/۱۶۸ (شیطان کے نقشِ قدم کی اطاعت نہ کرو لہٰذا عبادت کے معنی اطاعت و محکومیت کے ہیں۔

عبادت کے قرآنی مفہوم کو پیشِ نظر رکھئے اور پھر اس آیۂ جلیلہ پر غور فرمائیے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۵۱/۵۶

اور میں نے جن اور انس کو صرف اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یعنی جن و انس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ خدا کی "عبادت" کریں (جن کسے کہتے ہیں؟ یہ چیز اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے اسلئے صرف انسان کو لیجئے) اگر (لِيَعْبُدُوْنِ) کے معنی پوجا اور پرستش کے لئے جائیں تو ارشادِ خداوندی کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت خدا کی پرستش کرتا رہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔ انسان ہر وقت خدا کی پرستش کیسے کر سکتا ہے؟ پرستش تو کچھ وقت کے لئے ہوگی باقی اوقات میں انسان کو دوسرے کام بھی کرنے ہونگے ہمارے ہاں خدا کی پرستش کی شکل نماز ہی قرار دی جائے گی سو یہ بھی واضح ہے کہ نماز کا حکم بھی دن رات میں پانچ مرتبہ ہے۔ ہر وقت نماز پڑھتے رہنے کا حکم نہیں۔ حتیٰ کہ خود نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے ساتھیوں کی مقدس جماعتؓ سے فرمایا گیا کہ راتوں کو زیادہ وقت کے لئے جاگا نہ کریں اسلئے کہ دن میں بہتیرے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اسلئے (لِيَعْبُدُوْنِ) کے معنی پرستش کرنے کے نہیں بلکہ اطاعت و محکومیت اختیار کرنے کے ہیں۔

---

[1] حال ہی میں ایک انگریز (خاتون) مصنفہ نے ان لوگوں کے کوائف و معتقدات کا ذاتی طور پر مطالعہ کرکے اس نام سے ایک دلچسپ کتاب شائع کی ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ شیطان کی پرستش نہیں کرتے۔ اس سے ڈرتے بہت ہیں۔

یعنی اس آیۂ مقدسہ سے مفہوم یہ ہے کہ تخلیق انسانی سے مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کی محکومیت اختیار نہ کرے زندگی خدائی نظامِ حکومت کے ماتحت بسر کرے۔ کہ یہی نظام اسکی فطرت کے مطابق ہے۔ باقی تمام نظام غیر فطری ہیں۔ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) کا وہی مفہوم ہے جو سورۂ یٰسین کی ان آیات میں مذکور ہے، جو پہلے بھی درج کی جا چکی ہیں۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ ۳۶/۶۰-۶۱

اے بنی آدم کیا میں نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لے رکھا کہ تم نے شیطان کی محکومیت اختیار نہ کرنا۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور صرف میری ہی عبودیت اختیار کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے۔

نوعِ انسانی سے عہد لینے سے مراد یہ ہے کہ یہ چیز خود فطرتِ انسان کے اندر ودیعت کر کے رکھ دی گئی ہے۔ انسان کی فطرتِ صحیحہ کا تقاضا ہے کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہ کی جائے۔ یہ تو انسان کی مسخ شدہ فطرت ہے جو غیر خدائی نظام اطاعت کو قبول کر لیتی ہے اور پھر اس کا احساس تک بھی نہیں رہتا۔ کہ یہ روشِ زندگی خلاف فطرت ہے۔ اسلئے کہ خالقِ فطرت کا ارشاد یہ ہے کہ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) اس نے انسان کی پیدائش کی غرض وغایت ہی یہ بتائی ہے کہ وہ خدائی نظامِ حکومت کو قائم کرے اور اس کے ماتحت زندگی بسر کرے۔ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

چونکہ قلبِ انسان کے احساسات کا مظاہرہ محسوس شکلوں میں بہتر طور پر ہو سکتا ہے اس لئے خدائی نظامِ حکومت قائم کرنے والوں کے لئے اظہارِ عبودیت کا ایک محسوس پیکر تجویز کر دیا گیا جسے الصلوٰۃ (نماز) کہتے ہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے اس کے سامنے اظہارِ تذلل وتعبد کے لئے جھکا جاتا ہے۔ خدا کی محکومیت اختیار کرنے والوں کے اس "جھکنے" کی بھی ایسی فقید المثال صورت متعین کر دی گئی کہ وہ نہ صرف اظہارِ عبودیت ہی کا لباسِ مجاز بنے بلکہ خود نظامِ حکومتِ الٰہیہ کے قیام وبقا کے لئے ایک اہم کڑی بھی بنے۔ اس نظام کی بنیاد دل کے تقویٰ یعنی (خشیتِ الٰہی) تمسک بالجماعت اور اطاعتِ امیر پر ہے اور الصلوٰۃ (نماز) ان بنیادی اقتضاآت کی یاد

---

[1] ضابطہ اخلاق جو دنیا کے "دھرموں" میں "عین دین" ہوتا ہے یہاں اس کا شمار "دیباچہ" میں ہوتا ہے۔ جس کے دل میں خشیتِ الٰہی ہو گی اس سے زیادہ اچھے اخلاق کس کے ہو سکتے ہیں؟

اور پرورش کا بہترین ذریعہ ہے اسلئے نماز "خدا کی پرستش" کی شکل نہیں بلکہ عبادت (یعنی نظامِ محکومیت عبد اور حاکمیتِ خداوندی) کا ایک ذریعہ ہے۔ اسلئے قرآنِ کریم میں صلّوا (نماز پڑھو) نہیں آیا بلکہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو) آیا ہے۔ یعنی نماز پڑھنے کی شے نہیں قائم کرنے کی چیز ہے۔ یوں سمجھئے کہ نماز ایک

Institution ہے جسے محکم بنیادوں پر استوار رکھنے Establish کرنے

کا حکم ہے۔ نماز نہ (معاذاللہ) ایک رسم نہیں کہ اگر اس کے الفاظ اچھی طرح سے ادا کر دئے جائیں اور حرکات و سکنات کی پابندی کر لی جائے تو مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ تو ایک عظیم المرتبت مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے اس کے الفاظ و ارکان کی صحت اور پابندی اسلئے ضروری ہے کہ جیسا اچھا ذریعہ ہوگا ویسا ہی اچھا مقصد کا حصول ہوگا۔ اسے ایک مثال[1] کے ذریعہ یوں سمجھئے کہ آپ ایک بڑھئی کو کام پر لگاتے ہیں اور اسے لکڑی دیدیتے ہیں کہ اس سے ایک میز بنا دے۔ وہ صبح سویرے کام پر آتا ہے۔ سب سے پہلے پتھر کے ایک ٹکڑے پر اپنے اوزار گھستا ہے کہ وہ تیز ہو کر کام کے قابل ہو جائیں۔ پھر ان سے لکڑی پر کام کرتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر اوزاروں کو تیز کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ تو وہ کام چھوڑ کر پھر انہیں پتھر پر رگڑتا ہے اور اس طرح شام تک آپ کا کام کر کے مزدوری کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کا اوزاروں کو تیز کرنا در اصل کام کا ایک جزو ہے اور نہایت ضروری جزو۔ لیکن اگر وہ صبح سے لیکر شام تک اوزار ہی گھستا رہے تو کیا آپ اسے شام کو مزدوری دیدیں گے۔؟ کبھی نہیں دیں گے۔ اسلئے کہ اصل مقصد تو میز بنانا تھا۔ اوزار تیز کرنا تو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ سو جو شخص ذریعہ کو مقصد قرار دے لے وہ مقصد کو کبھی نہیں پا سکتا۔ الصلوٰۃ ایک عظیم المرتبت مقصد کا عدیم النظیر ذریعہ[2] ہے مقصود بالذات نہیں۔ اس لئے یہ "پرستش" نہیں۔ پرستش مقصود بالذات ہوتی ہے۔ مقصد عبادت یعنی خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک خدائی نظامِ حکومت قائم نہ ہو۔ اسلام میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کا لازمی اور فطری نتیجہ استخلاف فی الارض ہے۔ اور استخلاف فی الارض سے مفہوم ایسا نظامِ حکومت ہے جس میں محکومیت بلا شرکت غیرے صرف خدا کی ہو۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ اور اطاعت اس مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم نے ان درخشندہ حقیقتوں کو کس طرح ایک جگہ اُٹھا کر کے بیان

---

[1] یاد پڑتا ہے کہ یہ مثال صاحبِ تذکرہ علامہ مشرقی نے کہیں لکھی ہے۔ [2] واضح رہے کہ یہ ذریعہ بھی چونکہ فرمودۂ خداوندی ہے اسلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ خدا کے متعین کردہ ذرائع کے بجائے دوسرے ذرائع سے مقصد حاصل کرنے کی تجاویز کرنے لگ جائیں ان سے مقصد حاصل نہیں ہو سکیگا۔

فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ۲۴/۵۵-۵۶

اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور اعمالِ صالح سرانجام دیں۔ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں یقیناً استخلاف فی الارض (زمین کی بادشاہت) عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نے ان سے پیشتر لوگوں کو استخلاف عطا کیا تھا اور ان کے لئے اس دین کو متمکن کر دے گا جو ان کے لئے اس نے منتخب کیا ہے۔ اور انہیں خوف کے بعد۔ خوف کے بدلے امن عطا کر دیگا۔ (تاکہ) وہ صرف میری محکومت اختیار کریں۔ اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں اور جو کوئی اس کے بعد انکار کریگا تو وہ لوگ فاسقین میں سے ہونگے۔

اور تم نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تمہیں رحمت سے نوازا جائے

اِن ارشاداتِ عظیمہ میں دو تین باتیں غور طلب ہیں۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا فطری نتیجہ استخلاف فی الارض یعنی دُنیا کی حکومت ہے اس دنیاوی حکومت سے غرض ہے کہ اس دین کو متمکن کر دیا جائے جو اللہ نے منتخب فرمایا ہے ظاہر ہے کہ جس دین کا تمکن حکومت کے ذریعہ ہو سکتا ہے وہ دین "پرستش اور ضابطۂ اخلاق کا دھرم" نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نظامِ حکومت ہی ہو سکتا ہے دھرم کو متمکن کرنے کے لئے حکومت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہندومت۔ جین مت، بدھ مت وغیرہ دھرم ہزاروں سال سے محکومیت میں پنپتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن دین کی حفاظت اور تمکن حکومت کے بغیر نہیں ہو سکتی اسلئے کہ دین ضابطۂ اخلاق نہیں بلکہ نظامِ حکومتِ الٰہیہ ہے۔ حکومت کا نظام اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک وہ حکومت قائم ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ حکومت مٹ جائے اور اسکا نظام قائم رہے۔ حکومت کے بغیر دین قائم نہیں رہتا۔ دھرم باقی رہ سکتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ استخلاف فی الارض اس لئے عطا کیا جائیگا

کہ دینِ خداوندی یعنی نظامِ حکومتِ الٰہیہ قائم اور متمکن رہے اور استخلاف بھی ایسا کہ اسمیں کسی اور طاقت کا خوف باقی نہ رہے ۔

اب اس کے بعد اگلے ٹکڑے پر غور فرمائیے جس نے **عبادت** کے مفہوم کو بالکل واضح کر دیا ہے ۔ فرمایا کہ استخلاف فی الارض کے ذریعہ دین کو تمکن اور خوف کو امن سے بدل دینے کے معنی کیا ہیں ؟ اس سے مقصد یہ ہے کہ (لِیَعْبُدُوْنَنِیْ ۔ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا) تم صرف اللہ کی محکومیت اختیار کر سکو اور اس محکومیت میں کسی اور کو شریک نہ بناؤ یعنی استخلاف فی الارض اسلئے ہے کہ دین (نظامِ حکومتِ خداوندی) متمکن ہو جائے ۔ اور دین کے تمکن سے مفہوم یہ ہے کہ خدا کی محکومیت بلاشرکتِ غیرے اختیار کی جا سکے ۔ اگر (لیعبدوننی) کے معنی یہ ہوں کہ خدا کی پرستش کر سکیں تو جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے پرستش کے لئے نہ استخلاف کی ضرورت ہوتی ہے نہ دین (نظامِ اطاعت) کی ۔ خدا کی پرستش سے روکتا کون ہے ؟ آج دیکھ لیجئے ہندو اپنے طریق پر خدا کی پرستش (ایشور بھگتی) کر رہا ہے، مسلمان اپنے طریق پر ۔ اس کے لئے حکومت کی ضرورت نہیں ہے ۔ لیکن یہ پرستش ہی ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ **عبادت** نہیں ہوگی عبادت کے لئے نظامِ اطاعت کی ضرورت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مختلف نظامِ اطاعت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ۔ اس کا نام شرک ہے ۔ اسی لئے دین (نظامِ اطاعتِ خداوندی) کے تمکن کی غایت جہاں (لیعبدوننی) قرار دیا اس کے ساتھ ہی فرما دیا کہ (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا) یعنی دین کا تمکن اسلئے ہے کہ لوگ صرف خدا کی **عبادت** (محکومیت) اختیار کریں اور اس میں کسی اور کو شریک نہ کریں ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ ۳۹/۲

ہم نے تیری طرف یہ کتاب (ضابطۂ قوانین) حق کے ساتھ نازل کیا ہے ۔ پس تو دین (نظامِ اطاعت) خالص اللہ کے لئے رکھتے ہوئے اسکی محکومیت (عبودیت) اختیار کر ۔

اللہ تعالیٰ نے ضابطۂ قوانین عطا فرما دیا تاکہ نظامِ اطاعت و حکومت اسی ضابطہ کے مطابق ہو اور اس میں کسی اور نظام کی (کلی یا جزئی) آمیزش نہ ہونے پائے اور یوں عبادت (محکومیت) صرف خدا کی اختیار کی جا سکے ۔ (مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ) نظامِ اطاعت خالص خداوندی ہو ۔ اس میں اگر کسی اور نظام کا شائبہ بھی آگیا تو یہ شرک ہو جائیگا ۔ جس کی اسلام میں کسی صورت بھی اجازت نہیں ۔ کہ

"اسلام ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت سے کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اور ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں، بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلام ہو نامعقول اور مردود ہے"

(حضرت علامہ اقبالؒ)

یہ ہے اسلام میں عبادت اور دین سے مفہوم۔ باقی رہی غیر اللہ کی پرستش۔ سو جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ انسانیت کی تذلیل اور اس کے ضعفِ خودی کی دلیل ہے۔ انسان کا کسی دوسرے انسان کی پرستش کرنا حقیقتِ شرفِ انسانیت سے بے خبری کا آئینہ دار اور شجر و حجر کے سامنے جھک جانا عقل و بصیرت کا ماتم ہے۔

عبادت کے اس قرآنی مفہوم کو سامنے رکھئے اور پھر اسپر غور کیجئے کہ ایک مسلمان خانۂ خدا میں باوضو، قبلہ رو کھڑا ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد واضح اور کھلے ہوئے الفاظ میں اقرار کرتا ہے۔ کہ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ

اے اللہ! ہم تیرے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہیں کرتے۔ تیرے سوا کسی کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتے۔

اور نہیں سوچتا کہ جس چیز کا زبان سے اقرار کر رہا ہے کس طرح عملاً اس کا انکار کر رہا ہے اور پھر اتنا بھی نہیں سوچتا کہ یہ اقرار کس سے کر رہا ہے؟ اس خدائے علیم و خبیر سے جو محسوس اعمال تو ایک طرف دل کی حرکت اور نگاہ کی جنبش تک سے واقف ہے۔ ایسے خدا کی حضور، ایسے مقدس انداز میں ایسا اقرار کہ جس کی تکذیب کے لئے باہر سے کسی گواہ کی ضرورت ہی نہیں خود تمہارا نفس اس کے خلاف جیتا جاگتا گواہ اور تمہاری زندگی اس کے خلاف چلتی پھرتی شہادت ہے۔ اس کھلے ہوئے تضاد کو مٹانے کی اس کے سوا اور کیا صورت تھی کہ عبادت کے معنی ہی پرستش کر لئے جائیں اب اس اقرار کے معنی یہ قرار پائے کہ "ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں" اور یوں وہ انقلاب آفریں عہد و پیمان جو دنیائے نفس و آفاق میں قیامت برپا کر دینے کے لئے متعین فرمایا گیا تھا ایک بے جان سی رسم بن کر رہ گیا مظاہر ہے کہ عبادت کا یہ مفہوم اسی زمانہ میں وضع ہوا ہے جب عہدِ رسالتمآب صلعم کا اسلام نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

اور اس پر عجمی تصورات کے نظر فریب پردے پڑ چکے تھے جب عبادت کے معنی پرستش قرار پا گئے تو دین کے متعلق پورے کا پورا نظریہ بدل گیا اور یوں دین "دھرم" میں تبدیل ہو گیا۔ اس بنیادی فرق کے بعد پوری کی پوری عمارت ہی بدل گئی۔ چند نظری معتقدات اور رسمی "عبادات" انفرادی نجات کا ذریعہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حاکمِ مطلق کے بجائے معبود یعنی پرستیدہ (WORSHIPPED) کی حیثیت اختیار کر لی۔ معبود کے معنی ہی "پرستش کے قابل" ہو گئے۔ اسی طرح اِلٰہ کے معنی بھی یہی قرار پا گئے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی وہ شمشیر برہنہ جو اطاعت و حکومت کے متعلق تمام غلط نظریات کے خرمن پر برقِ خاطف بن کر چمکنے والی اور غلامی کی ہر نوع کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دینے والی تھی بے جان الفاظ کا خالی نیام بن کر رہ گئی۔ اب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی ہیں "نہیں کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ" اور اس پرستش کے مظاہرے "محکومی و مسکینی و نومیدیِ جاوید" کے ہلاکت آفریں اور سکوت افزا ماحول میں حجروں اور خانقاہوں کے گوشوں میں اور مسجدوں کے کونوں میں ذکر و فکر اور تسبیح و مصلیٰ کی صورت میں جلوہ پیرا ہونے لگے۔ وہی نماز جس کا ایک ایک سجدہ انسان کو ہزار سجدوں سے نجات دلانے کا ذریعہ تھا جوئے غلامی میں پختگی کا سبب بن گئی اسلئے کہ نماز کے متعلق سمجھ یہ لیا گیا کہ اس سے انسان میں عاجزی۔ فروتنی اور انکساری پیدا ہوتی ہے، خدا کے سامنے عاجزی اور انکساری نہیں بلکہ انسان کے سامنے عجز و ضعف۔ اب جس کے متعلق یہ کہا جائیگا کہ وہ بڑا عبادت گذار ہے تو اس کے متعلق جہاں ایک طرف ذہن اس طرف منتقل ہو گا کہ وہ بڑا نمازی، تہجد خواں، نوافل گذار، تسبیح خواں ہے اس کے ساتھ ہی نگاہوں کے سامنے اس کا یہ نقشہ بھی پھر جائیگا کہ بڑا نحیف و زار، عاجز و ناتواں مسکین مزاج، رنجاں مریض، دنیاوی بکھیڑوں سے الگ تھلگ ہر ایک کے سامنے جھک جانے والا کوئی چار باتیں زیادتی کی بھی کہہ جائے تو اُسے جھک کر سلام کرنے والا یعنی رہبانیت کی نفی کی علامتیں سب موجود۔ اور مومن کی قہاری و جباری سب غائب۔ اگر عبادت کا صحیح مفہوم سامنے ہوتا تو خدا کے عابد کے لئے

پیشِ باطل تیغ و پیشِ حق سپر

ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ باتیں تو دین کی ہیں۔ "دھرم" میں تو وہی کچھ ہونا چاہیئے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

ان حقائق پر نگاہ رکھئے اور پھر غور فرمائیے کہ گاڑی جب پٹڑی بدلتی ہے تو شروع میں کسقدر غیر محسوس فرق ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھتی جائے دونوں راستوں میں کسقدر فاصلہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب یہ معلوم

کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ گاڑی کی صحیح منزلِ مقصود کونسی تھی ۔ یہ تو دینِ خداوندی کی اہمیت تھی کہ وہ قرآن کریم کی محفوظ و مصئون صورت میں ہمارے ساتھ چلا آرہا ہے ۔ ورنہ ہمارے پاس اس بات کے معلوم کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہ ہوتا کہ گاڑی کو جانا کس طرف تھا ۔ اب اس پر بھی غور فرمائیے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو اپنے ماحول کے اثرات اور دور اشتی تاثرات سے الگ کرکے سمجھنے کی کوشش کیجئے تو اس سے مفہوم کیا ہوتا ہے ! اسی لفظ **عبادت** کو لیجئے ۔ جب خالی الذہن ہو کر اس کا مفہوم قرآن کریم سے متعین کیا جائیگا تو نہ صرف عبادت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں آجائے گا بلکہ دین کے متعلق بھی صحیح نظریہ سامنے آجائیگا ۔ اور جب یہی لفظ گرد و پیش کے اثرات کے ماتحت "پرستش" کے معنوں میں سامنے آئیگا تو عبادت اور اور دین ہر ایک کے متعلق ایک الگ تصور قائم ہوجائے گا ۔ اس ایک مثال سے اندازہ فرمائیے کہ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھنے کے کیا معنی ہیں ۔ اور اسکی کتنی ضرورت ہے ۔ اور پھر یہ بھی کہ قرآن کریم کے صحیح (قرآنی) ترجمہ کی کتنی اشد ضرورت ہے یہ حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم کا لفظی ترجمہ کسی معنی کسی زبان میں ہو ہی نہیں سکتا ۔ یعنی کسی زبان کے الفاظ

Word for word قرآنی الفاظ کا کما حقہ مفہوم ادا نہیں کرسکتے ۔ قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم دوسری زبان کے الفاظ میں نہیں بلکہ فقروں میں ادا کیا جائیگا ۔ لیکن اگر قرآنِ کریم کو قرآنِ کریم سے سمجھ کر قرآنی تعلیم کا مفہوم ذہن میں ہو تو ترجمہ میں ایسے الفاظ لائے جاسکیں گے جن سے ذہن قرآنی مفہوم کے قریب آجائے ۔ اسی قسم کا ترجمہ ہے جس کے متعلق میں نے کہا ہے کہ اس کی اشد ضرورت ہے ۔ یہ کام جماعتوں کے کرنے کے ہیں ۔ لیکن آج جبکہ ابھی قرآنِ کریم کا نام لینا بھی جرم قرار دیا جارہا ہے ان چیزوں کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے ۔ بہرحال خدائے حی و قیوم کی کتاب زندہ ہے اور قیامت تک کے لئے پائندہ اسلئے اگر ہم نہیں تو کوئی اور جماعت پیدا ہوجائے گی جس کے مقدر میں یہ سعادت ہوگی ۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں ہزار بادہ ناخوردہ در رگِ تاک است

بہرکیف **عبادت** اور **پرستش** اور **دین** اور **دھرم** کا جو فرق سابقہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے اُسے سامنے رکھ کر قرآن کریم کے ان مقامات میں غور کیجئے جن میں ان حقائق کا تذکرہ ہے ۔ آپ اپنی خاک کے ذرّوں میں ایک نئی زندگی اور خون کے قطروں میں ایک نئی تڑپ محسوس کریں گے جس سے ایک نئی دُنیا آپکے سامنے نمودار ہوگی کہ قرآنِ کریم کا یہی اعجاز ہے ۔

چو جاں در رفت جہاں دیگر شود جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

بسلسلۂ اصلاح

عَمَلُ الصّٰالحٰتْ - یا عَمَلِ الصّٰالح

تمہید:- یہ مرکب لفظ ہے عمل اور الصالحات سے یا عمل اور صالح سے۔ قبل اس کے کہ اسکی تشریح کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متعلق عام نظریہ بیان کر دیا جائے کہتے ہیں کہ صالح نیک آدمی کو کہتے ہیں (نیک لفظِ لازم ہے۔ یعنی خود نیک ہو جس کی نیکی دوسرے کی طرف متعدی نہ ہو۔ اور نیکی کیا چیز ہے نماز روزہ وغیرہ، یا ترکِ دُنیا اور زہد جیسا کہ راہب یا گوشہ نشین وغیرہ کرتے ہیں) اور نیک آدمی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ اسی خیال کو سامنے رکھ کر ہندوستان میں نیک لوگوں کی آؤ بھگت ہوئی، یہاں تک کہ اُن کے مرجانے کے بعد اُن کی قبروں پر روضے اور محلّات تعمیر کئے گئے بادشاہوں نے ان کی قبروں کو زیارت گاہ بنا دیا عوام نے نذروں اور منّتوں سے ان کو مرجع خلائق قرار دیا نہ صرف زندگی میں بلکہ بعدِ مرگ بھی ان کو خدا اور بندے کے درمیان مستقل وسیلہ یقین کر لیا گیا۔

نماز میں تشہد کے اندر جہاں پیغمبرؐ پر سلام اور اپنے اوپر سلام کیا جاتا ہے وہاں عباد اللہ الصّالحین پر بھی سلام مذکور ہے۔ عام خیال یہی کیا جاتا ہے کہ اس سے نیک بندے (باصطلاح عوام) مراد ہیں۔

صالح | اسم فاعل ہے صَلُحَ فعل (ماضی) سے جس کی ضد فَسُدَ ہے اور اس سے فاسد اسم فاعل بنتا ہے۔ یعنی صالح فاسد کی ضد ہے۔ فاسد میں اگر فساد ہے تو صالح میں صلاح مضمر ہے۔ فساد کے معنی بگاڑ کے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "لَوْکَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (اگر آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا) فساد نہ ہونے کی وجہ صرف ایک اللہ کی موجودگی ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ آقاؤں اور اللہ کی کثرت سے آسمان و زمین میں بگاڑ ہوتا اور ایک آقا ہو تو اسکی آقائیت میں کوئی جھگڑا قائم نہیں ہو سکتا اسی لئے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس کے وارث ہوتے ہیں میرے صالح بندے) جن کا کام زمین میں صلاح (ضد فساد) قائم کر کے فساد کی جڑ کاٹنا ہے) ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے "مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (جو شخص امیدوار ہو اپنے رب کی لقا کا تو اُسے

چاہیئے کہ عمل میں لائے عمل صالح، یعنی وہ عمل جس میں صلاح ہی صلاح ہو فساد کا نام و نشان تک نہ ہو اور وہ توحید کے یقین کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا اور نہ شریک بنائے اپنے رب کی عبادت یعنی اپنی غلامی اور اس کی آقائیت یا اپنی عبادت اور اس کی معبودیت میں کسی ایک کو، کیونکہ آقا کی آقائیت میں شرکت ہی ایک ایسا فعل ہے جس سے زمین میں فساد ہی فساد برپا رہتا ہے جیسا کہ لوکان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا کے مفہوم سے بیان کیا جا چکا ہے۔

قرآن کریم میں (جیسا کہ آگے آرہا ہے) آمنوا کے ساتھ عملوا الصالحات کو جمع کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ ایمان جو عمل الصالحات کے بغیر ہے کارآمد نہیں ہے۔ کہیں کہیں واعملوا صالحاً "فعل امر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو صلاحیت اور صالحیت پر مبنی ہیں مومن کی ذمہ داری میں داخل ہیں، اور عملِ صالح توحید کا عملی رنگ ہے جس کا ضد شرک ہے۔ یعنی جو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں سے کسی صفت میں بھی شریک کریگا وہ صالح کو کبھی عمل میں نہیں لا سکتا۔ یا بالفاظِ دیگر فاسد اعمال والا مشرک ہے اور مومن نہیں ہے اور ان انعام کا مستحق نہیں ہو سکتا جو عامل الصالحات کو ملنے ہیں۔ مومن کی زندگی کی ہر حرکت و سکون عملِ صالح سے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے جب اپنے بیٹے کے لئے غرق ہونے سے نجات طلب کی تو جواب ملا یا نوح انہ لیس من اھلک ط انہ عمل غیر صالح۔ اے نوحؑ یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں ہے، یعنی اہلِ صلاح اور اہلِ نبوت سے نہیں ہے بلکہ اہلِ فساد اور اہلِ کفر میں سے ہے۔ اسلئے یہ اس کا اہل ہے کہ ہو جائے مغرقین میں سے۔ اور یہ درخواست کہ کنعان غرق ہونے سے بچ جائے۔ غیر صالح عمل ہے۔ مفسد کے غرق ہونے میں ہی صلاح ہے۔ خواہ وہ رشتہ کے لحاظ سے نبی زادہ کیوں نہ ہو، ایسے آدمی کی نجات کی درخواست دوسرے لفظوں میں فساد کی حمایت ہے اسلئے ارشاد ہوا انی اعظک ان تکون من الجاھلین "میں وعظ (تنبیہ) کرتا ہوں کہ تم جاہلوں سے نہ ہو جاؤ۔

صالح کا استعمال قرآنِ کریم میں

تین طریقوں سے آیا ہے۔ ایک مفرد صالح، مثلاً عملاً صالحاً، عمل صالح، دوسرے جمع مذکر الصالحون مثلاً عبادی الصالحون، عبادنا الصالحین۔ تیسرے جمع مؤنث الصالحات۔ مثلاً آمنوا وعملوا الصالحات۔

جہاں مفرد استعمال کیا گیا ہے وہاں عمل کی صفت کر کے بیان کیا گیا ہے اور جہاں جمع مذکر استعمال کیا گیا ہے وہاں عمل کو موصوف کئے بغیر عباد کی صفت لایا گیا ہے۔ صالح بندے، یعنی عبد اپنے تمام قوا اور اعضا کے ساتھ صالح ہے یعنی

فساد سے دور ہے، فاسد بند و نہیں ہے۔ یہی جمع ذکر انبیاء علیہم السّلام سے متعلق بھی بیان کی گئی ہے ۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الصالحین "کہیں کہیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ " الصدیقین" الشہداء" کا ذکر کرنے کے بعد چوتھے درجہ پر الصالحین کو منعم علیہم گروہ میں شامل کیا گیا ہے، کہیں وراثتِ ارضی کا مستحق عباد صالحون کو قرار دیا گیا ہے ۔ ہر ایک اپنے مدارج میں صالح ہے ۔ نبوت کو صلاحیت سے تعبیر کرنا اور نبی کو صالح قرار دینا تو کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے اسی طرح منعم علیہم گروہ میں "صالحین" کی جمع بھی صلاحیتِ قلبی پر دال ہے، البتہ وراثتِ ارضی میں غیر صالح کا انتخاب یقیناً باشندگانِ ارضی میں سے وراثت اور خلافت ارضی کی قابلیت پر موقوف ہوگا ۔

صالح کا غلط مفہوم

صالح کے معنی حجرہ نشین، تارک الدنیا اور تسبیح خواں مراد لے کر انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء سے چوتھا گروہ مراد لینا قرآن فہمی سے بہت دور معلوم ہوتا ہے۔ گزشتہ سطور میں ملاحظہ کر لیا ہوگا کہ انبیاء علیہم السّلام کو بھی صالحین میں شمار کیا گیا ہے، ایسا ہی صدیقین بھی اپنے معنوں میں عام ہے انبیاء علیہم السلام بھی صدیقین میں داخل ہیں " وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۔ ابراہیمؑ صدیق نبی تھے ۔ اسی طرح شہدا جمع ہے شہید کی پیغمبر بھی شہید ہیں ۔ فرمایا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ ۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ؕ ہر رسول اپنی امت پر شہید ہے اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی اپنی امت پر شہید ہیں ۔

زمانۂ انحطاط کے تاثرات ملاحظہ کیجئے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہے ۔ مسلمانِ دورِ حاضر نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صدیقیت بھی اکتسابی چیز نہیں ہے، ایسا ہی شہادت اور صالحیت بھی ۔ گویا جس طرح نبوت کے لئے خدا نے چناؤ اور انتخاب اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اسی طرح صدیقیت، شہادت اور صالحیت کے لئے بھی جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، اسلئے ہر ایک آدمی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ ترقی کر کے صالح، شہید اور صدیق بن سکے ۔ اگرچہ نبوت کا دروازہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا پر بند کر دیا گیا ہے مگر دوسرے دروازے تو ہمیشہ کیلئے کھلے ہیں، ہندی مسلمان کو برہمنیت زدہ ذہنیت نے ان دروازوں کو بھی ان پر بند کر دیا ہے ۔

اس کے ساتھ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہندی مسلمان، غلام مسلمان نے جہاں اپنی غلامی کی زنجیروں کو کھولنے کے بجائے اپنے لئے انہیں اور مضبوط اور پختہ تر کرنے کی ٹھان لی ہے وہاں نبوت کا بند دروازہ کھول کر گویا ایک

حد تک اپنی دماغی ترقی اور اولوالعزمی کا ثبوت بھی پیش کر دیا ہے، چنانچہ ہندوستان میں اسی قسم کا ایک متبنیٰ (بنی بننے والا) آیا اور کچھ دن اپنا ڈھونگ رچا کر چلا بھی گیا، اور ہندی مسلمان جہاں پہلے تھا وہاں سے چند قدم پیچھے نہیں ہٹا تو ایک انچ آگے بھی نہیں بڑھا۔ الصالحات کی ذمہ داری کیا لیتا؟ بس تمام عمر انگریز کی حکومت کو خدا کی رحمت ثابت کرتے کرتے الماریاں بھر دیں۔

عمل عمل کیا چیز ہے؟ موجودہ دور میں لاہور کی انارکلی میں عامل حکیم کریم الدین، اور دہلی میں عامل فضل شاہ ہر گاؤں میں مولوی اور پنڈت، ہر سمریزم کا ماہر اور ہر جادوگر عامل ہے۔ قرآن کی ہر آیت، وید کی ہر شرتی، پورب کا ہر ایک منتر، اور پاکل کی ہر ایک بکواس عمل ہے۔ کوئی اپنے عمل کے زور سے غیب کی خبروں کے علم کا مدعی ہے، کوئی جنات اور شیاطین کو تابع رکھتا ہے، کوئی ہمزاد کو غلام بنائے ہوئے ہے، کوئی تعویذ اور گنڈے میں اثر دیکھتا ہے، کوئی قرآن کی آیات کو سائل کے ہر سوال کے جواب میں اٹکل انداز سمجھ کر اعمال قرآنی لکھ کر لوگوں کو پیش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ، مگر الصالحات کیا چیز ہے؟ اور اس کا عمل کیا ہے؟ اس کا نہ وجود ہے نہ ضرورت۔ حکومتِ وقت جس کو صالح کہدے صالح ہے، عوام اور عامل لوگ جس کو صالح قرار دیں صالح ہے۔

مگر قرآن کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ صدقات کے مصارف کے ضمن میں وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کے لفظ سے یہ ثابت کرانا چاہتا ہے کہ صدقات کی وصولی اور تحصیل کرنے والے ہی عامل ہیں۔ گویا حکومت کے کارندے، صوبہ دار اور گورنر ہی عامل کہلائیں گے۔

اس لحاظ سے "الصالحات" کے عامل وہی کہلائیں گے جو "الصالحات" کا عمل اپنی عملداری میں کرائیں، یعنی الصالحات کی ترویج و تنفیذ کریں، لوگوں میں عمل الصالحات کے لئے قوانین جاری کر دیں، "ہر صالح" ایک قانون ہو، اس کی ہر قانون کی ایک دفعہ ہو، صالح کی خلاف ورزی قانون کی خلاف ورزی اور حکومت کی نافرمانی کے برابر سمجھی جائے۔

لغت سے استناد جی چاہتا ہے کہ لغت سے عمل اور صالح کی تشریح کر دی جائے تاکہ یہ شبہ بھی نہ رہے کہ لغت میں ان الفاظ کی حقیقت شاید کچھ اور ہو۔ عَمِلَ يَعْمَلُ عَمَلاً (از بابِ فَعِلَ يَفْعَلُ):-

(۱) صَنَعَ یعنی دستکاری کی (۲) حَسَنَ عَمِلَ فِي صَنْعَتِهٖ یعنی اپنی صنعت میں کام کیا یا مصروف ہو گیا۔ عَمِلَ لِلْاَمِيْرِ عَلٰى بَلَدٍ۔ كَانَ عَامِلاً لَهٗ یعنی امیر کی طرف سے کسی علاقہ کا عامل (حاکم) ہو گیا۔ عَمِلَ عَلَى الصَّدَقَةِ (فی القرآن

وَالعاملین علیہا ای الصدقات۔) سعی فی جمعہا جس نے صدقات کے جمع کرنے میں کوشش اور سعی سے کام لیا وہ ان پر عامل ہو گیا۔

عَمَّلَہٗ عَلَی البلد (فعل ثلاثی مزید از باب تفعیل) جعلہٗ عاملا او حاکما عَلَیْہِ، یعنی اس کو عامل و حاکم بنا دیا کسی شہر پر۔ عُمِّلَ فُلَانٌ عَلَیْہِمْ (بصیغہ مجہول) ای اُقِیْمَ عَلَیْہِمْ حاکما۔ یعنی ان پر حاکم مقرر کیا گیا۔ اعملہ (ثلاثی مزید از باب افعال) جعلہ عاملا اُسے عامل بنا دیا۔ تعامل القوم (باب تفاعل) ۔ عامل بعضہم بعضًا ایک نے دوسرے کو عامل بنا دیا ۔ اعمل (افتعال) عمل عملًا متعلقًا بنفسہ ۔ یعنی اس نے کوئی عمل اپنے نفس سے متعلق کیا ۔ استعملہ (استفعال) اتخذہ عاملًا یعنی اسے عامل بنا دیا ۔ اُستعمل فلان (استفعال بصیغہ مجہول) وُلّی عملًا من اعمال السلطان ۔ یعنی بادشاہ کی کسی خدمت اور مقررہ کام پر مامور اور والی بنایا گیا۔

وَالعامل (اسم فاعل من عمل) ۔ (۱) کل من یعمل بیدہٖ (۲) من یتولّی امور رجل فی ملکہ وَمالہٗ وَعملہٗ ۔ (۳) الرَّئیس، وَالوالی وَالحاکم۔ یعنی عامل ہر وہ شخص ہوتا ہے (۱) جو اپنے ہاتھ سے کام کرے (۲) جو کسی آدمی کے امور از قسم مال، ملک یا دیگر کاموں کا متولی ہو۔ (۳) نیز رئیس، والی اور حاکم بھی عامل کہلاتے ہیں ۔

لفظ عامل اور فعل عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عمل، حکومت، ولایت اور ریاست کو کہتے ہیں، یا ہاتھ سے کام کرنے کو اور عامل، رئیس، والی، حاکم، متولی امور الناس اور دستکار کو کہتے ہیں، اب صالح کا عمل کیا ہو گا ۔ یعنی صالح کو اپنے ہاتھ سے کرے اور اپنی حدود حکومت، ریاست اور ولایت میں اس کو جاری رکھے اس لئے صالح کو بھی لغت سے دریافت کرتے ہیں ۔

صَلَحَ یَصْلُحُ ۔ وَصَلُحَ یَصْلَحُ وَیَصْلُحُ صَلَاحًا وَصُلُوْحًا وَصَلَاحِیَۃً (ثلاثی مجرد سے فَعَلَ یَفْعُلُ فَعُلَ یَفْعُلُ ۔ اور فَعَلَ یَفْعَلُ ۔ تینوں طریقوں سے استعمال ہوتا ہے۔ ضد فَسَدَ ۔ یعنی صلاح فساد کا ضد ہے ۔ صَلُحَ الرَّجُلُ ۔ کانَ صالحًا ۔ آدمی صالح ہے ۔ صَلَحَ فِی عَمَلِہٖ ۔ لزم الصَّلاح ۔ یعنی صلاح کو لازم سمجھا ۔ وَ یُقَالُ ھٰذَا الشیء یصلح لک صلاحًا ۔ ای یوا فقک ویحسن بک ۔ کسی کے لئے کسی چیز کے صالح ہونے کے معنی یہ ہیں

کہ وہ اس کے موافق، اور اسکو اچھی لگتی ہے۔ صالحہ صلاحًا و مصالحۃ (ثلاثی مزید فیہ از باب مفاعلہ) وافقہ یعنی مصالحت کے معنی موافقت کے ہیں۔ اَصْلَحَ الشَّیی، ضد افسدہ (از باب افعال) یعنی اصلاح کے معنی فساد نہ کرنے کے ہیں۔ تصالحُ و اصتلح و اصطلح القوم (از باب تفاعل افتعال) خلاف تخاصموا یعنی قوم میں جھگڑا نہیں ہے۔ استصلح الشیی (استفعال) ضد استفسد یعنی اصلاح کی خواہش کرنا۔

(الصَّالِحُ (اسم الفاعل من صَلُحَ) (۱) ضد الفاسد۔ یعنی صالح وہ ہے جو فاسد نہ ہو (۲) القائِمُ بِمَا علیہ من الحقوق والواجبات یعنی حقوق اور واجبات کو قائم رکھنے والا اور ذمہ دار۔ ویُقَالُ هُوَ صالح لکذا ای فِیْہِ اہلیۃ للقیام بہ۔ صالح اس کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کے قیام کی اہلیت ہو۔

عمل صالح ثابت ہوگیا کہ جو کام فاسد نہ ہوں یا حقوق اور واجبات کی ذمہ داری کے قیام یا کسی مناسب کام کو نافذ اور رائج کرنے کو عمل صالح کہیں گے۔

رجوع الی القرآن اب قرآن کریم کی طرف رجوع کر کے عمل صالح اور صالحین سے متعلق استصواب کیا جاتا ہے کہ صاحب عرش جل جلالہ کی نگاہ حقیقت پناہ میں صالح کون لوگ ہیں "الصالحات" کیا ہیں؟ اور عمل صالح کس کو کہتے ہیں؟

صالحین (۱) حضرت ابراہیمؑ صالح ہیں " وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (البقرۃ) ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں برگزیدہ بنایا اور بلاشبہ وہ الآخرت میں صالحین میں سے ہے مطلب یہ کہ وہ آخرت میں اعلیٰ مراتب کی صلاحیت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ صدیق نبی ہیں۔

(۲) حضرت عیسیٰؑ صالح ہیں۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران) حضرت عیسیٰؑ بچپن میں اور ادھیڑ عمر میں کلام کریں گے اور وہ صالح لوگوں میں سے ہیں یعنی لوگوں سے کلام کرنے کی صحیح اہلیت رکھتے ہیں یا دنیا اور آخرت میں ہر انعام کی صلاحیت رکھنے والوں میں سے ہیں۔

(۳) حضرت یحییٰؑ صالح ہیں۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ (آل عمران) حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والے ہیں سردار حصور اور نبی ہیں صالحین میں سے۔ یعنی ہر فرض کے قیام کی اہلیت رکھتے ہیں۔

(۴) اہلِ کتاب میں سے صالحین کی تعریف ۔ ومن اھل الکتاب اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیَاتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ ۝ یؤمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ ط وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (آلِ عمران) اور اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت ہے جو قائم ہے حق پر تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کو رات کے اوقات میں اور وہ سجدہ گزار ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت کے ساتھ اور امر کرتے ہیں ساتھ معروف کے اور نہی کرتے ہیں منکر سے اور جلدی کرتے ہیں بھلائی میں اور وہی لوگ صالحین میں سے ہیں ۔

ان آیات سے نہایت وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح وہ لوگ ہیں جو آیات اللہ کی تلاوت کرتے ہوں، ساجد ہوں، اللہ اور یوم آخر کے مومن ہوں، معروف کے آمر اور منکر کے ناہی ہوں اور خیرات میں سرعت کرنے والے ہوں، اہلِ دل غور کریں کہ سلطنت پرست لوگ اور دیگر خواص و عوام جہاں "صالحیت" کی تلاش میں پھرتے ہیں، وہاں صالح ان لوگوں کو سمجھتے ہیں جو دُنیا سے کنارہ کش، راہب اور زاویہ نشین ہوں، جو غیر ذمہ دار زندگی بسر کرنے والے ہوں بیوی سے آزاد، بچے سے آزاد، ماں باپ سے آزاد اور دنیا و فیہا سے آزاد ۔

(۵) منعم علیہم گروہ میں صالحین داخل ہیں ۔ ومن یطیع اللّٰہ والرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مع الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ علیھم مِنَ النَّبِیّٖنَ ۝ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (النساء) جو لوگ اطاعت کریں اللہ کی اور رسول کی پس وہی لوگ ہمراہ ہونگے ان کے کہ انعام کیا اللہ تعالیٰ نے اُن پر یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین (منعم علیہم) ہیں ۔

(۶) زکریا، یحییٰ، اور الیاس صالحین میں سے ہیں ۔ و زکریا و یحیی والیاس کل من الصّٰلِحِیْنَ (الانعام)

(۷) امتوں میں صالح اور غیر صالح کی تقسیم ۔ وقطعناھُمْ فی الارضِ اُمما ۔ منھم الصالحون ومنھم دُوْنَ ذالک ۝ (الاعراف) اور ہم نے قوموں کو زمین کے اطراف میں پھیلا دیا، بعض اُن میں سے صالح ہیں اور بعض غیر صالح ۔ مگر مسلمان کو جو تعلیم دی گئی اس کی رو سے نہ صرف یہ کہ تمام تر صالح بن جائیں اور کوئی غیر صالح نہ رہے بلکہ تمام افراد مصلح بن کر دُنیا میں نکل جائیں اور دنیا کو صالح بنا ڈالیں، غیر مسلموں کی زبان پر اب بھی مسلمان مصلح کے لقب سے پکارے جاتے ہیں (جو بگڑ کر "موسلے" ہو گئے)

(۸) خدا کے فضل کے بعد صالح ہونے کی تمنا۔ وھم من عاھد اللہ لئن اتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین (التوبہ) بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے دے دیا تو ہم ضرور صدقات کریں گے اور ضرور ہو جائیں گے صالحین میں سے۔

معلوم ہوا کہ مالدار اور پھر اُن سے صدقہ کرنے والے ہی "صالح" ہو سکتے ہیں، نہ کہ وہ مفلس اور قلاش جو دوسروں کی کمائی پر آنکھ رکھتے ہیں۔

(۹) برادرانِ یوسفؑ اپنی صلاحیت (صالحیت) کا منصوبہ اس طرح باندھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے تو باپ کی نظروں میں جچ سکتے ہیں۔ اقتلوا یوسف او اطرحوہ ارضا یخل لکم وجہ ابیکم وتکونوا من بعدہ قوما صالحین ۝ (یوسف) قتل کر دو یوسف علیہ السلام کو یا پھینک دو کسی زمین میں خالی ہو جائے گا تمہارے لئے تمہارے باپ کا چہرہ یا توجہ میں یکسوئی ہو جائے گی اور ہو جاؤ گے تم اس کے بعد سے قوم صالح۔

(۱۰) یوسف علیہ السلام اپنی بادشاہت میں صالحین سے الحاق کی دعا کرتے ہیں۔" رب قد اتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین (یوسف) اے میرے رب تو نے مجھے بادشاہت عطا کی اور مجھے باتوں کی سمجھ سکھا دی اے آسمان اور زمین کے ایجاد کرنے والے تو ہی میرا ولی ہے۔ دنیا اور آخرت میں تو مجھے پورا مسلمان بنا دے اور مجھے ملا دے صالحین کے ساتھ

(۱۱) جن یتامیٰ کی گری ہوئی دیوار حضرت خضرؑ نے بلا اجرت حضرت موسیٰ کی رفاقت میں تیار کر دی تھی ان کا باپ صالح تھا وامّا الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لھما وکان ابوھما صالحا (الکہف) اور دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی شہر کے اندر اور اس کے اندر خزانہ مدفون تھا اُن کا اور اُن کا باپ صالح تھا۔

(۱۲) اسحٰق و یعقوب بھی صالح تھے " ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب نافلۃ وکلا جعلنا صالحین ۝ (الانبیاء) اور ہم نے عطا کی ابراہیم کو اسحٰقؑ اور یعقوب زائد اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔

(۱۳) اسمٰعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفلؑ صالحین میں سے تھے " واسمٰعیل وادریس وذا الکفل کل من الصابرین وادخلناھم فی رحمتنا انھم من الصالحین (الانبیاء) اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ سب کے سب صابروں میں سے تھے اور ہم نے داخل کیا ان کو اپنی رحمت میں بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے۔

(۱۴) وراثت ارضی صالحوں کو ملا کرتی ہے ، " وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۔ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ (الانبیاء) اور ہم نے کہہ دیا ہے زبور میں ذکر کے بعد کہ زمین کے وارث ہوتے ہیں اور ہوں گے میرے صالح بندے ، اور بلاشبہ اسی میں پیغام ہے عابد لوگوں کے لئے ۔

(۱۵) بالغ اور صحیح الجثہ اور قابل نکاح بھی صالح کہلاتے ہیں :- وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم (النور) اور نکاح کر و رانڈوں کا اپنوں میں سے اور صلاحیت رکھنے والوں کا اپنے لڑکوں اور لڑکیوں سے (یعنی جو صلاحیت نہیں رکھتے اور جو اہل نکاح نہیں ہیں اُن کی شادی نہیں کرنا چاہیئے)۔

(۱۶) ابراہیمؑ صالحین میں شامل ہونے کی درخواست کرتے ہیں ۔ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (الشعراء) اے میرے رب عطا کر مجھے حکم اور شامل کر دے مجھے صالحین میں (جو حکم اور حکومت کی صلاحیت رکھتے ہیں)

(۱۷) داؤد علیہ السلام صالحین کے گروہ میں شامل ہونے کی دعا کرتے ہیں " وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین (النمل) اور داخل کر دے مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں ۔

(۱۸) حضرت موسیٰؑ اپنے کو حضرت شعیبؑ کے سامنے صالح ظاہر کرتے ہیں جب کہ حضرت شعیبؑ اپنی کسی لڑکی کا نکاح حضرت موسیٰؑ سے کر دینے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں " ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین (القصص) تم پاؤ گے انشاء اللہ مجھے صالحین میں سے ۔

(۱۹) مومن اور عامل الصالحات کو "صالحین" (وارثین ارضی) میں داخل کرنے کا وعدۂ الٰہی " وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (العنکبوت) اور وہ جو ایمان لائیں اور عمل میں لائیں الصالحات ضرور داخل کر دیں گے ہم اُن کو صالحین میں ۔ (یعنی یہی وراثت ارضی کے اہل ہونگے یا یہی جنت الفردوس کی صلاحیت رکھنے والے ہوں گے ۔)

(۲۰) اللہ تعالیٰ جبریلؑ اور صالح المومنین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب مراتب مولیٰ ہیں (اللہ تعالیٰ مولیٰ ہے یعنی سرپرست ، جبریلؑ مولیٰ ہے یعنی رفیق کار ، صالح المومنین مولیٰ ہیں یعنی خدمتگار ، اسی "مولائیت" کا بیان (تصلیہ) کے لفظ سے " إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

وسلموا تسلیما ۔ (الاحزاب) میں کیا گیا ہے ۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کریم سے عمل صالح کے متعلق آیات کو یکجا کیا جائے ۔

(۱) مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۙ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (التوبہ)

(ترجمہ) نہیں سزاوار مدینہ والوں اور ان دیہاتیوں کو جو اُن کے پاس رہتے ہیں کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ یہ کہ رغبت رکھیں اپنے نفسوں سے اس کے نفس سے یعنی اپنے آپ کو رسول کریمؐ کی ذات پر ترجیح نہ دیں) یہ اس طور پر کہ نہ پہنچے گی اُن کو پیاس اور نہ تکلیف اور نہ کوئی بھوک اللہ کی راہ میں ۔ اور نہ چلیں گے کوئی راہ جو غصے میں لائے کافروں کو اور نہ حاصل کریں گے دشمن سے کچھ ۔ مگر لکھا جائیگا اُن کے لئے اس سے عملِ صالح ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اچھا کرنے والوں کا اجر ۔ اور نہ خرچ کریں گے کوئی خرچ چھوٹا ہو یا بڑا اور نہ طے کریں گے کوئی میدان مگر لکھا جائیگا وہ (عمل صالح) اُن کے لئے تاکہ جزا دے ان کو اللہ تعالیٰ اچھی اس کی جو وہ عمل میں لاتے ہیں ۔

اس سے نہایت اہم امور کا انکشاف ہوتا ہے ۔

(الف) اہل مدینہ اور بدوی یعنی شہری اور دیہاتی لوگوں کو سزاوار نہیں ہے کہ وہ رسولؐ سے کسی امر میں تخلف برتیں یعنی آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کریں اگر ایسا کریں گے تو یہ عمل غیر صالح ہوگا ۔

(ب) اسی طرح یہ بھی سزاوار نہیں ہے کہ وہ اپنے کو رسول کی ذات سے پیارا رکھیں یا کسی قسم کی ترجیح دیں ۔ اپنی ذات کو رسولؐ کی ذات پر ورنہ یہ عمل بھی غیر صالح ہوگا ۔

صالح عمل کیا ہیں ؟ یہ کہ

(الف) اللہ کی راہ میں پیاس لگے اور پانی پاس نہ ہو مگر اللہ کی راہ سے پاؤں نہ پھسلے بلکہ ثابت قدم رہے ۔

(ب) اللہ کے راستہ میں کوئی تکلیف پہنچے مگر وہ اس راستے میں رکاوٹ نہ ہو۔

(ج) اللہ کی راہ میں بھوک پہنچے، دشمن کا سخت محاصرہ ہو تو بھی یہ پاؤں کے ڈگمگا جانے کا باعث نہ ہو۔

(د) ایسا راستہ طے کیا جائے جس سے کافروں کو سخت غصہ لگے۔ تب وہ عمل صالح کہلائے گا۔ یقیناً کافروں کا غصہ جب بڑھے گا کہ اس راستہ کے طے کرنے میں ہی کافروں کی لازماً شکست ہوگی۔ تب تو اُن کو غصہ آئے گا۔

(س) دشمن سے کچھ نہ کچھ لے کے چھوڑنا ایسا نہ کہ اُلٹا کچھ دے کے آجائیں۔ دشمن سے کیا لیں گے پہلی چیز تو یہ کہ دشمن دشمن نہ رہے بھائی بن جائے۔ سب سے بڑی دولت مسلمان کے لئے یہ ہے۔ دوسری چیز ہے ملک اور بادشاہت جس سے دشمن مقہور اور مغلوب ہو کر رہے۔ تیسری چیز ہے مال کہ وہ مال چھوڑ کر بھاگ جائے۔ "نیلاً" کا لفظ آیت میں عام ہے۔ مندرجہ بالا چیزوں کے حصول سے بھی وسیع ہے۔

(ح) دشمن کے مقابلہ کے لئے صرف جان ہی نہیں دینی پڑتی، اپنا مال بھی خرچنا پڑتا ہے۔ تو خرچ کرنے سے خواہ تھوڑا ہو خواہ زیادہ جی نہ چرانا عمل صالح ہے۔

(ط) میدانِ جنگ میں نہ صرف دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہو جانا "عملِ صالح" ہے بلکہ میدان جیت لینا عملِ صالح ہے۔

(تنبیہ) ان امور کو سامنے رکھ کر حجرہ اور برقعہ کا اسلام اور غیروں کی حکومت میں مسلمان کا غلام رہ کر اسلام سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) ایمان کے ساتھ الصالحات (جن کی تفصیل کسی قدر گزر چکی ہے) کو عمل میں لانے والے ہی طوبیٰ اور حسن مآب کے مستحق ہیں "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ" (الرعد) جو لوگ ایمان لائے اور عمل میں کئے "الصالحات" خوشی ہے اُن کے لئے اور اچھا مرجع (یعنی اُنہی کی زندگی کے لئے "طوبیٰ" ہے، اُنہی کے لئے "حیاتِ طیبہ" ہے، وہ ہر خباثت سے پاک رہتے ہیں۔

(۳) عمل صالح کرنے والے کو طیبہ زندگی دی جاتی ہے اور اپنے عملوں کا اچھا اجر۔ "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (النحل) جو عمل کرے صالح اور وہ ہو مومن پس ہم اسکو زندہ رکھتے ہیں زندگی طیب اور جزا دیں گے ہم ان کو اجر ان کا ساتھ اچھے اس کے کہ وہ عمل کرتے ہیں۔

(۴) مومن اور عامل الصالحات کے لئے باغات کی زندگی ہے :" وادخل الذین آمنوا وعملوا الصالحات جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا باذن ربھم تحیتھم فیھا سلام (ابراہیم) اور داخل کئے گئے (یا جائیں گے) وہ لوگ جو مومن ہیں اور عمل کئے انہوں نے "الصالحات، جنّات (باغات) میں جاری ہوں گی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں اپنے رب کے اذن سے، ان کی تحیّت اس میں" سلام" ہو گی۔ یعنی باغات میں سلامتی کی زندگی بسر کریں گے کوئی خوف وخطر نہ ہو گا۔

(۵) عمل صالح کرنے والے کے لئے درجات اور مراتب کی بلندی ہے " ومن یاتہ مومنا قد عمل الصالحات فاولٰئک لھم الدرجات العلیٰ (طٰہٰ) اور جو حاضر ہو اللہ تعالیٰ کے دربار میں مومن ہو کر جس نے عمل کئے ہوں الصالحات پس وہی لوگ ہیں جن کے لئے ہیں درجے بلند ۔

(۶) مومن اور عامل الصالحات کی سعی مشکور ہو گی، اور اُن کو دُنیا میں ایسی زندگی ملے گی جو ہلاکت اور بربادی سے کوسوں دور ہو گی ۔ " فمن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا کفران لسعیہ وانا لہ لکاتبون ۵ وحرام علیٰ قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون ۵ (الانبیاء) پس وہ جو عمل ہیں لائے الصالحات اور ہو وہ مومن پس نہیں ناشکری اس کے کوشش کے لئے ۔ اور ہم تو اس کے لئے لکھنے والے ہیں اور لازم ہے اس گاؤں پر جس کو ہم نے (قانون کی خلاف ورزی میں) تباہ و برباد کر ڈالا ۔ کہ وہ نہ رجوع کریں ۔

(۷) مومن اور عامل الصالحات ہی مغفرتِ الٰہی اور رزقِ کریم کا مستحق ہے " فالذین آمنوا وعملوا الصالحات لھم مغفرۃ ورزق کریم (الحج) پس وہ لوگ جو مومن ہیں اور عمل کئے انہوں نے الصالحات اُنہی کے لئے ہے مغفرت اور عزت والا رزق ۔

(۸) ایمان اور عمل صالح کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافتِ ارضی تمکین دین اور تبدیل خوف بالامن کا وعدہ کیا گیا ہے " وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (النور) وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے الصالحات ضرور خلیفہ بنائے گا ان کو جیسا کہ خلافت دی ان کو جو ان سے پہلے تھے، اور ضرور تمکین دے گا اُن کے لئے اُن کے دین کو جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے ۔ اور ضرور تبدیل کرے گا

ان کو ان کے خوف کے بعد امن۔

(۹) روضات الجنات کی رہائش۔ اور اللہ کے ہاں سے ان کی پسند کے مطابق ہر چیز کا مہیا ہو جانا، اس صورت میں عطا کیا جاتا ہے کہ ایمان کے بعد عملِ صالح بھی ان میں موجود ہو۔ " وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِیْ رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا یَشَاءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ( ) اور جو لوگ ایمان لائیں اور عمل کئے انہوں نے الصالحات، باغات کے اندر صاف ستھری کوٹھیوں میں ہوں گے۔ ان کے لئے مہیا ہو جائے گا جو وہ چاہیں گے نزدیک اُن کے رب کے یہی بڑا فضل ہے۔

(۱۰) مومن اور عامل الصالحات کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ رحمت کیا چیز ہے؟ اور داخلۂ رحمت سے کیا مراد ہے یہ الگ باب ہے جس کی تفصیل کی اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ " فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْعَظِیْمُ (الجاثیہ) پس وہ لوگ جو ایمان لائیں اور عمل کریں صالح میں داخل کریگا اُن کو رب ان کا اپنی رحمت میں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اشارات

مضمونِ ہٰذا سے اچھی طرح واضح ہو سکتا ہے کہ عمل کس کو کہتے ہیں۔ عمل کسی چیز کو رائج کرنا یا اپنے اختیارات کو نافذ کرنے کا نام ہے۔ اور عامل با اختیار باحکومت، رئیس یا والی ہوتا ہے جو چیز اس کے نزدیک امن اور عافیت کے قیام کے لئے ضروری ہوتی ہے اسکی ترویج اپنی عملداری میں کرتا ہے۔ وہی چیزیں الصالحات کہلائیں گی۔ مسلمان چونکہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہے اسلئے معروف کی اشاعت جس طرح صالحات میں داخل ہو سکتی ہے منکرات سے نہی بھی صالحات میں شمار ہو گی۔ مسلمان آخری نبوت کا پیغام پہنچانے کا ذمہ وار ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور شہید علی الناس ہے مگر ہندوستان کی آب و ہوا اُسے راس نہیں آئی بجائے راہ دکھانے کے راہ کی تلاش میں ہے۔

وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ اَتْقِیَاءِ

(مشتاق احمد خاں)

عذاب النّار

زہر کھانے والے کا انجام ہلاکت کیوں ہے ؟ اس لئے کہ زہر طبعِ انسانی کے خلاف ہے۔ تو آب بیٹھ جانے والے کے لئے موت کیوں یقینی ہے ؟ اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو اس ہوا سے جس پر انسان کی زندگی کا دارو مدار ہے محروم کر لیا ہے۔ لہلہاتی کھیتی کو پانی نہ دیا جائے تو وہ خشک کیوں ہو جاتی ہے ؟ اس لئے کہ پانی، جو اس کی زندگی کا سرچشمہ ہے اس سے روک لیا گیا ہے۔ جہاں جہاں آپ ہلاکت اور موت دیکھیں گے اس سے پہلے کہیں نہ کہیں کوئی خلافِ فطرت اثر کارفرما نظر آئے گا۔ شجر و حجر اور حیوانات کی زندگی طبعی قوانین کے تابع چلتی ہے۔ لیکن انسانی زندگی طبعی قوانین کے علاوہ اس نظام کے بھی تابع ہے جو اس نے اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے۔ اس نظام کا اثر طبعی قوانین سے بھی زیادہ دور رس اور یقینی ہوتا ہے۔ جب یہ نظامِ زندگی اور آئینِ حیات فطرتِ انسانی کے مطابق ہوتا ہے تو اس کے نتائج حیات بخش اور انسانیت آفریں ہوتے ہیں جب وہ خلافِ فطرت ہوتا ہے تو اس کے عواقب ہلاکت انگیز اور تباہ کن ہوتے ہیں۔ طبعی زندگی اس دنیائے آب و گل تک محدود ہے۔ لیکن انسانی زندگی کا آخری مقام دنیا کی سرحدیں نہیں۔ یہ اس سے آگے بڑھنے والی ہے۔ اس لئے نظامِ زندگی کے اثرات و عواقب بھی اس سے آگے بڑھتے ہیں۔ خلافِ فطرت نظامِ زندگی کے وہ دردناک نتائج جو حیاتِ اُخروی میں نمودار ہوتے ہیں، قرآنِ کریم انھیں جہنم اور عذابِ نار سے تعبیر کرتا ہے۔ اس عذاب کی حقیقت کیا ہے ؟ اسے آج کوئی نہیں بتا سکتا۔ اس پر ہمارا ایمان ہے اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان۔ لیکن اس عذاب کا جو حصہ دنیا میں مرتب ہو جاتا ہے وہ تو ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ وہ جہنم اور آگ کا عذاب ہے جس میں آج قریب قریب ساری دنیا جھلس رہی ہے اور انسان باوجود اپنی تمام اجتماعی قوتوں کے اسے اپنے اوپر سے ہٹا نہیں سکتا! ہر قوم چاہتی ہے کہ اس عذاب سے بچ نکلے۔ لیکن اس کے شعلے اتنے دور رس اور عالمگیر ہیں کہ کسی کو ان کی لپیٹ میں آئے بغیر چارہ نہیں

انسانی قوت اور بے بسی کے تضاد کا یہ مظاہرہ ہر دیدۂ عبرت کے لئے اپنے اندر ہزار سامانِ موعظت رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے خلافِ فطرت نظامِ زندگی کا نام شیطانی اور طاغوتی نظام قرار دیا ہے۔ یعنی ہر غیر خدائی نظام ابلیسی نظام ہے اور ایسے نظام کی اتباع کرنے والوں کا انجام جہنم ہے۔ اس دُنیا میں بھی جہنم اور اس کے بعد کی زندگی (حیاتِ اُخروی) میں بھی جہنم۔ وہاں بھی آگ اور یہاں بھی آگ۔ فطرتِ انسان کو اس غیر خدائی نظام اور اس کے عواقب واثرات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اور اس آگہی کی یاد دہانی کے لئے وقتاً فوقتاً ان کے پاس منذرین ومبشرین حضرات (علیہم السلام) تشریف لاتے رہے۔ چنانچہ ابلیس کی اوّلین سرکشی کے وقت ہی اس امر کا اعلان کر دیا گیا کہ

ان عبادی لیس لك علیھم من سلطٰن الّا من اتبعك من الغوین ○ وان جھنّم لموعدھم اجمعین $\frac{15}{42-43}$

جو میرے مخلص بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا۔ صرف انھیں پر چلے گا جو (صراطِ مستقیم یعنی نظامِ خداوندی کی راہ سے) بھٹک گئے۔ اور ان سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا نہیں)

خدا کے مخلص بندوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی ایسے نظام کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیتے جو اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت کے تصور پر مبنی ہو۔ وہ بلا شرکتِ غیرے۔ خالصاً اللہ کی حاکمیت کے تابع رہتے ہیں۔

قل انّی امرت ان اعبد اللّٰہ مخلصاً لہ الدّین ○ $\frac{39}{11}$

(اے رسول) ان سے کہدے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اطاعت کو صرف اللہ کے لئے مختص کر کے اُسی کی محکومیت اختیار کروں۔

اس کے خلاف جو لوگ من دونہٖ ($\frac{39}{15}$) اللہ کے علاوہ کسی اور کی حاکمیت تسلیم کر کے اس غیر خدائی نظام کو اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہیں، ان کی روشِ زندگی کے نتائج وعواقب کے متعلق فرمایا

لھم من فوقھم ظُللٌ من النّار ومن تحتھم ظلل ط ذالك یخوّف اللّٰہ بہٖ عبادہ یٰعباد فاتقون ○ $\frac{39}{16}$

ان کے اوپر سے بھی آگ کی ایک تہ ہوگی اور نیچے سے بھی (اس طرح وہ آگ کے اندر لپٹے ہوئے ہونگے) یہ وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ (اور کہتا ہے کہ) اے میرے بندو! صرف میری حفاظت میں رہو۔

اس سے اگلی آیت میں "عبادہٗ" (اللہ کے بندوں) کی تشریح ان الفاظ میں فرمادی کہ

والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا وانابوا الی اللہ لھم البشریٰ فبشر عباد ۳۹/۱۷

اور وہ لوگ جو طاغوت (ہر غیر خدائی نظام) کی محکومیت سے اجتناب کرتے ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کے لئے بشارت ہے۔ سو میرے بندوں کو بشارت دیدیجئے۔

اوپر اور نیچے سے آگ کا عذاب نتیجہ ہے اس آئینِ حیات کا جو غیر خدائی نظام پر مبنی ہو۔ پھر جہنم ان لوگوں کا بھی ٹھکانہ ہے جو خدا کی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں۔ شکرِ نعمت اور کفرانِ نعمت خود مستقل موضوع ہیں اور ضمنی طور پر ان کے متعلق تفصیلاً گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اجمالاً یوں سمجھئے کہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جس غرض کے لئے عطا کی گئی تھی اسے اسی مصرف میں استعمال کیا جائے۔ اگر اسے اس کے متعینہ مقصد کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ کفرانِ نعمت ہوگا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قوت عطا فرمائی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا مقصد و مصرف بھی متعین کر دیا ہے کہ قوت مظلوم کے لئے سپر اور ظالم کے لئے شمشیرِ برہنہ کے طور پر استعمال کی جائے گی۔ اگر قوت کے مصرف یہی مقامات ہیں تو یہ اس کا شکر ہے۔ اگر استعمال اس کے خلاف ہے تو یہ کفرانِ نعمت ہے۔ اور کفرانِ نعمت کا فطری نتیجہ آگ کا عذاب ہے۔ ذرا مادہ پرست اور خدا فراموش مذہب کے آئینِ حیات اور دستورِ زندگی پر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ انھوں نے اللہ کی عطا فرمودہ نعمتوں سے کس درجہ کفران برت رکھا تھا۔ اللہ نے انھیں علم و عقل، دولت اور قوت، شوکت و حشمت سے بہرہ وافر عطا فرمایا۔ لیکن انھوں نے مبدأ فیض کی ان کرم گستریوں کو کن مقاصد و اغراض کے لئے صرف کیا ہے۔ ایک دنیا جانتی ہے! نتیجہ ظاہر تھا۔

الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفراً واحلوا قومھم دار البوار ۱۴/۲۸

کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنھیں اللہ نے نعمت عطا فرمائی تھی مگر انھوں نے اسے کفرانِ نعمت سے بدل دیا اور (اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ) انھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا۔ یعنی دوزخ میں جا اتارا۔ جس میں وہ داخل ہونگے۔ اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے

غور فرمایئے کفرانِ نعمت کرنے والے خود ہی آگ کے عذاب میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ اپنی قوم کی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ قوم کے اکابر، ارکین، مفکرین و مدبرین، ارباب حل وعقد ہی کرتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں۔ یعنی قوم کی دولت اور قوت۔ سعی وعمل کے نتائج۔ علم اور سائنس کے ماحصل کو کن اغراض و مقاصد میں صرف کیا جائے گا۔ یہ مفکرین و مدبرین اگر متاعِ قومی کو ان مقاصد میں صرف کریں جو اللہ تعالیٰ کے قوانین نے متعین کئے ہیں اور یوں شکرِ نعمت کا عملی ثبوت دیں تو خود بھی سکون وطمانیت کی جنت میں رہیں اور قوم کو بھی امن وعافیت کے بہشت میں رکھیں۔ اگر ان اربابِ بست وکشاد نے ان قوتوں کو غلط راستے میں صرف کرنا شروع کر دیا تو اس کفرانِ نعمت کا نتیجہ ساری قوم کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

خدا کی دی ہوئی قوتوں اور نعمتوں کو صحیح مقاصد میں صرف کرنے کا جذبۂ محرکہ خدا پر ایمان اور مکافاتِ عمل کے اٹل اصول پر محکم یقین ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی سب سے پہلے یہ کہ مقاصد وہی صحیح اور حق بجانب ہو سکتے ہیں جو تمام نوعِ انسان کے پروردگار اور مشترک مالک و آقا نے جوہرِ انسانیت کے تحفظ وارتقاء کے لئے متعین فرمائے ہیں۔ انسان کے اپنے معین کردہ مقاصد عالمگیر منافع اور شرفِ انسانیت کے ترفع کے لئے نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ زندگی اس دنیا کی چار دیواری تک محدود نہیں بلکہ اس کے بعد بھی زندگی ہے جس میں ہر عمل کا فطری نتیجہ مرتب ہو کر رہیگا اس لئے اگر آج کوئی فرد یا کوئی قوم اپنی دولت وقوت کی بناء پر غلبہ واستیلاء حاصل کئے جا رہی ہے اور یوں اپنے استبداد و تغلب سے انسانیت کی ہڈیاں کچلی رہی ہے۔ تو اسے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کوئی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے! بلکہ انھیں اس پر ایمان ہونا چاہئے کہ ان کی ایک ایک حرکت ایک نتیجہ پیدا کر رہی ہے اور ان نتائج کا مجموعی اثر ان کے سامنے آکر رہے گا۔ خواہ اس دنیا میں یا اس کے بعد۔ اگر کسی قوم نے ان بنیادی اصولوں سے انحراف کیا تو اس کا لازمی نتیجہ آگ کا عذاب ہے۔

اولٰئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا

نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزناً ۔ ذالک جزاء ھم جھنم بما کفروا و
اتخذوا اٰیاتی ورسلی ھزواہ ۱۸/۱۰۵-۱۰۶

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوئے پس ان کے سارے کام اکارت گئے اور اس لئے قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کا کوئی وزن تسلیم نہیں کرینگے۔ انھوں نے جیسی کچھ کفر کی راہ اختیار کی تھی ..... ہماری آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی تو عذابِ دوزخ اس کا (لازمی) نتیجہ ہے۔

حیاتِ آخروی کے عقیدہ سے انکار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا کی طبعی زندگی کو عینِ حیات سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ طبعی زندگی تو محض حیوانی زندگی ہے۔ انسانیت تو اس سے آگے جاکر شروع ہوتی ہے نتیجہ یہ کہ زندگی کے مقاصد بھی محض حیوانی ضروریات پورا کرنا رہ جاتے ہیں۔ تہذیبِ مغرب کے "قصرِ مزین" کے تمام اجزائے ترکیبی کو الگ الگ کرکے دیکھتے جایئے۔ ہر ایک کا ماحصل محض حیوانی اقتضاآت کی تسکین ہوگا۔ اس کے آگے شرفِ انسانیت کی پرورش کا کوئی سامان نہ ہوگا۔ اس نہج زندگی کا لازمی نتیجہ آگ کا عذاب ہے۔

والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنار مثویً لھم ۴۷/۱۲

اور جن لوگوں نے انکار کیا (تو ان کی زندگی یہ ہے کہ) وہ (دنیاوی متاع سے) فائدہ حاصل کرتے ہیں اور حیوانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے رہنے کی جگہ آگ ہے۔

جب زندگی کا مقصد ہی "کھاؤ۔ پیو اور خوش رہو" قرار پاگیا تو پھر حقوق و فرائض کی نگہداشت کیسی اور بلند و مقدس جذبات کا تصور کہاں! فسق و فجور کی زندگی۔ انفرادی و اجتماعی جرائم۔ ظلم و غارت گری۔ یہ سب تہذیب کے اجزاء اور تمدن کے عناصر قرار پاجاتے ہیں۔ یہ وہ غیر فطری اعمال ہیں جن کا لازمی نتیجہ آگ کا عذاب ہے چنانچہ مجرمین کے متعلق فرمایا:۔

انہ من یات ربہ مجرما فان لہ جھنم ط لا یموت فیھا ولا یحییٰ ہ ۲۰/۷۴

کچھ شک نہیں کہ جو شخص اپنے رب کے حضور مجرم ہوکر حاضر ہوگا تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہوگی۔ نہ تو اس میں مرے گا نہ زندہ رہے گا۔

اسی طرح وہ ظالمین جن کے رفیع المنزلت کا شانوں کی رنگینی غریبوں اور ناداروں کے خون کی رہین منت ہوتی ہے ان کے متعلق فرمایا کہ ان سے کہا جائے گا کہ

فادخلوا ابواب جهنم خلدين فيها ط فبئس مثوى المتكبرين ہ ۲۹/۱۶

پس اب تمہارے لئے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ہمیشہ کے لئے اسی میں رہنا ہے۔ تو دیکھو تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا انجام ہوا۔

ظلم اور تکبر کا انجام ہلاکت اور تباہی کے برباد کن عذاب اور جہنم کے شعلوں کے سوا اور کیا ہوگا۔ اسی طرح فاسقین کے متعلق فرمایا:۔

واما الذين فسقوا فماوٰهم النار ط كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا فيها وقيل لهم ذوقوا عذاب النار الذي كنتم به تكذبون ہ ۲۰/۳۲

اور وہ لوگ جنہوں نے حدود خداوندی کو توڑ ڈالا۔ سو ان کے رہنے کی جگہ آگ ہے۔ جب وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کرینگے تو انہیں پھر اسی میں دھکیل دیا جائے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کے اس عذاب کا مزہ چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے۔

پھر دنیا کی مختلف قوموں پر نگاہ ڈالیئے۔ کچھ قومیں غلبہ اور قوت میں بہت آگے ہوتی ہیں اور کچھ قومیں کمزور اور ضعیف۔ زبردست قومیں ان زیردست قوموں کو اپنا محکوم رکھتی ہیں۔ اور دنیا کے معاملات اور بساطِ سیاست پر محکوموں کے فیصلے بالادست قوم کے فیصلوں کے تابع ہوتے ہیں۔ محکوم اقوام کے پاس اپنی حفاظت کے لئے کچھ سامان نہیں ہوتا۔ وہ اپنی حفاظت و مدافعت کے لئے بالادست اقوام کی قوت و سامان کی محتاج ہوتی ہیں۔ دنیا میں حرب وضرب کے فیصلے تو بالادست اقوام ہی کرتی ہیں۔ لیکن زیردست اقوام ان کے فیصلوں کے تابع ہونے کی وجہ سے ان شعلہ فشانیوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتیں۔ جب آگ کا عذاب چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے تو زیردست اقوام بالادست اقوام کو پکارتی ہیں کہ اس مصیبت کو ان سے رفع کریں۔ لیکن اس وقت کمزور اور قوی دونوں بے بس ہوتے ہیں۔ اللہ کا عذاب نہ کسی کے روکے رک سکتا نہ کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔

واذ يتحاجون في النار فيقول الضعفاء للذين استكبروا انا كنا لكم

تبعًا فهل انتم مغنون عنا نصيبًا من النار ۝ قال الذين استکبروا انا

کل فیھا ط ان اللہ قد حکم بین العباد ۝ ۴۰ / ۴۷-۴۸

جب آگ کے عذاب میں وہ ایک دوسرے سے جھگڑینگے تو اُس وقت کمزور لوگ اُن سے کہیں گے جو (طاقت کے بل پر) تکبر کرتے تھے کہ ہم تو یقیناً تمھارے تابع تھے تو کیا تم اس عذابِ نار کا کچھ حصہ ہم سے ہٹاؤ گے نہیں؟

جو لوگ تکبر کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم تو سب ہی اس عذاب کے اندر ہیں۔ یقیناً اللہ نے بندوں میں فیصلہ کر دیا ہے۔

دوسرے مقامات پر بھی ان جماعتوں کے باہمی جھگڑوں کا ذکر ہے۔ یعنی وہ جماعتیں جو اس ہلاکت کے آتشین عذاب کو چھیڑتی ہیں اور (اُن کے بعد) وہ جماعتیں جنھیں ان کی اتباع میں بلا اختیار و ارادہ اس ہلاکت کے گڑھے میں کودنا پڑتا ہے۔ سورۃ صٓ میں عذابِ نار کے ذکر میں ہے۔

ھٰذا فوج مقتحم معکم لا مرحبًا بھم انھم صالوا النار ۝ قالوا بل

انتم قف لا مرحبا بکم انتم قدمتموہ لنا ج فبئس القرار ۝ قالوا ربنا

من قدم لنا ھٰذا فزدہ عذابًا ضعفًا فی النار ۝ ۳۸ / ۵۹-۶۱

یہ ایک جماعت اور آئی جو تمھارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے) آنکھیں بند کرکے کود رہے ہیں۔ ان پر خدا کی مار ہو۔ یہ بھی دوزخ میں چلے آرہے ہیں۔ وہ (اگلوں سے) کہینگے کہ خدا کی مار تمھارے اوپر ہو۔ کیونکہ تم ہی نے تو اس مصیبت کو ہمارے لئے تیار کیا ہے جو بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ وہ (پیچھے آنے والے) کہینگے۔ اے ہمارے پروردگار! جس نے اس عذاب کو ہمارے لئے تیار کیا ہے اسے آگ کا دُگنا عذاب دینا۔

جب آگ کا عذاب چاروں طرف سے مسلط ہو جائے گا تو ہر شخص اعتراف کرے گا کہ فی الواقع یہ ان کے جرائم کا فطری نتیجہ ہے۔ اس وقت انھیں احساس ہوگا کہ وہ نظام جو غیر خدائی قوانین کی بنا پر مرتب کیا گیا تھا کس قدر ہلاکت آفریں تھا۔ اس وقت چاروں طرف سے ایک جدید نظام کی آوازیں بلند ہونگی۔

ہر ایک کی آواز ہوگی کہ اس عذاب سے نجات کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ ہر طرف سے پکار ہوگی کہ

فاعترفنا بذنوبنا فھل الیٰ خروجٍ من سبیل ۔ ۴۰/۱۱

ہم اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہیں۔ سو اس (عذاب) سے نکلنے کی کوئی راہ بھی ہے؟

پھر یہ بھی دیکھئے کہ اس عذابِ نار کی طرف روانگی اور اس میں داخلہ کس انداز سے ہوگا۔ دھوئیں کے بادلوں کے سائے میں (ظلّ من یحموم ۵۶/۴۳) طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے (ثمّ فی سلسلۃٍ ذرعھا سبعون ذراعاً فاسلکوہ ۶۹/۳۲) آگ کے شعلوں کی لپیٹ سے منہ جھلسے ہوئے۔ چہرے بگڑے ہوئے (تلفح وجوھھم النار وھم فیھا کالحون ۲۳/۱۰۴) آگ کے عذاب کی طرف دھکیلے جائینگے (یوم یدعّون الیٰ نارِ جہنم دعّاً ۵۲/۱۳) اور سامنے سے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے بڑے بڑے محلات جتنے پھیلاؤ میں اور اس انداز سے کہ گویا زرد رنگ کے اونٹ قطار در قطار کھڑے ہیں (انھا ترمی بشررٍ کالقصر ۰ کانّہ جمٰلت صفر ۷۷/۳۲-۳۳) یہ ہوگا وہ آتشیں عذاب جس کی طرف مجرمین کشاں کشاں پا بجولاں گھسٹتے چلے جائینگے۔ چیختے۔ چلاتے۔ مدد کو پکارتے۔ لیکن اس دن نہ ان کا کوئی یار و مددگار ہوگا نہ رفیق اور دوست، جو انھیں اس عذابِ ہلاکت انگیز سے نجات دلا سکے کہ یہ عذاب تو ان کے اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا ہے۔

حیاتِ اُخروی کے جہنم کے متعلق۔ انسانوں کو سمجھانے کے لئے انسانوں ہی کی زبان میں بیان کیا جا سکتا تھا لیکن اس عذاب کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ آج کوئی دماغ اس کا تصور اور کوئی قلب اس کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ یہ تو وہیں جا کر معلوم ہوگا۔ لیکن خود اس دنیا میں انسان اپنے غیر فطری نظامِ زندگی کے طفیل آگ کے جس عذاب میں آج مبتلا ہے دیکھئے کہ اُخروی عذاب النار کا تمثیلی بیان اس پر بھی کس طرح منطبق ہو رہا ہے۔ زمین سے آگ۔ آسمان سے آگ۔ دائیں اور بائیں آگ۔ ہوا میں آگ۔ پانی میں آگ۔ غرضیکہ ہر مکان میں آگ (ہر مکین کے دل میں آگ)۔ اوپر اور نیچے آگ کے پردے۔ چیخ اور پکار۔ نالہ و شیون۔ آہ و بکا۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسان۔ کشاں کشاں آگ کے شعلوں کی طرف دھکیلے چلے جا رہے ہیں۔ ہر شخص تڑپ رہا ہے کہ اس عذاب سے نکل بھاگنے کی کوئی صورت ہو۔ لیکن بے بسی کا یہ عالم کہ ہر شخص اپنی تمناؤں کے باوجود پھر آگ کے گڑھوں کی طرف جانے پر مجبور ہے۔ قوموں کی قومیں۔

کوتی بالارادہ ۔ کوئی بلا ارادہ اس آگ میں جھلسے جانے کے لئے دہکتے ہوئے انگاروں میں کودتی چلی جارہی ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ہو کیا رہا ہے ؟ اور اس سے بچا کیسے جاسکتا ہے!! دھوئیں کے سیاہ بادل (SMOKE SCREEN) چاروں طرف سے گھیرے ہوتے ہیں سوسومیل کی مسافت سے تیل کے ذخیروں کے بھڑکتے ہوئے شعلے دکھائی دے رہے ہیں۔ ہلاکت اور بربادی کے سفاک عفریت ہر طرف فضا میں منڈلا رہے ہیں۔ تباہی اور خوں ریزی کے شیاطین کی زنجیریں کٹ چکی ہیں اور وہ پورے کے پورے صفحۂ ارض پہ انسانوں کی لاشوں کو روندتے پھاندتے آگ اور خون کی ہولی کھیلنے میں مصروف ہیں۔ کسی گوشے میں امن نہیں۔ کوئی کونہ محفوظ نہیں۔ اور یہ سب اس لئے کہ انسانوں نے خدا کو بھلا دیا اور انسانیت کو قوانینِ خداوندی کی بجائے خود ساختہ آئین و دستور کے قالب میں ڈھالنے پر مجبور کر دیا۔ جس کا لازمی نتیجہ آگ کا عذاب تھا۔ اور یہ عذاب تو اُس آنے والے عذاب کے مقابلے میں کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ یہ عذاب مسلط اس لئے کیا جاتا ہے کہ شاید انسان اس سے عبرت حاصل کرے اور اپنے آپ کو نظامِ خداوندی کے تحت لاکر اس بڑے عذاب کی ہلاکت سے بچ جائے۔

ولنذیقنّھم من العذاب الادنٰی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون ٥ ۳۲/۲۱

ہم یقیناً انھیں عذابِ اکبر (بڑے عذاب) سے ورے۔ ادنیٰ (قریبی) عذاب چکھائیں گے۔ تاکہ شاید یہ لوگ (حقیقت کی طرف) رجوع کر لیں۔

شاید انسان اس عالمگیر عذاب سے عبرت حاصل کر کے اپنی روشِ زندگی کو فطرت کے صحیح قوانین (کتاب اللہ) کے تابع رکھ لے۔ اگر اس نے ایسا کر لیا تو سمجھئے کہ اس نقصان کے مقابلہ میں فائدہ زیادہ ہے۔ لیکن تازیانۂ فطرت کی اس سرزنش اور گوشمالی کے باوجود اگر اس نے حقیقت کی طرف آنے سے اعراض برتا تو سمجھ لے کہ قوانینِ الٰہیہ کے انتقام کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔

ومن اظلم ممّن ذکّر بایٰت ربّہ ثمّ اعرض عنھا انّا من المجرمین منتقمون ٥ ۳۲/۲۲

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جسے خدا کی نشانیوں کی یاددہانی کرائی جائے لیکن اس کے بعد وہ ان سے پہلوتہی کرے۔ یقیناً (ہمارا قانونِ مکافاتِ عمل) مجرمین سے انتقام لے کر رہے گا۔

دورِ حاضرہ کی عظیم الشّان کتاب

"معارف القرآن"

(از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز مدظلہٗ)

یعنی حقائقِ قرآنی کا دائرۃ المعارف۔ جو اس اصول پر مرتب کیا گیا ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور تکمیلِ شرفِ انسانیت کے لئے مکمّل اور واحد ضابطۂ حیات ہے۔

اس کی ترتیب

کے متعلق یوں سمجھئے کہ قرآن کریم سے متعلق کوئی مسئلہ آپ کے ذہن میں آئے۔ پوری کی پوری قرآنی تعلیم۔ ایک دلکش مربوط مضمون کی صورت میں آپ کے سامنے ہو۔

جلد اوّل

شائع ہو چکی ہے۔ بڑی تقطیع ۲۹ × ۲۲ کے ۵۰۷ صفحات پر مشتمل۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت جلد اعلیٰ درجہ کی قیمت

بلا جلد ———— پانچ روپیہ ———— محصول ڈاک ۱۳

مجلد ———— ساڑھے چھ روپیہ ———— محصول ڈاک عہ

کتاب کا مقدمہ علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہٗ کے تبحرِ علمی کا آئینہ دار ہے جس میں علمِ تفسیر پر بالخصوص محققانہ بحث کی گئی ہے

ناظم:-

ادارۂ طلوعِ اسلام قرول باغ دہلی

رجسٹرڈ ایل نمبر 4240

۴

معاملہ کی ضروری باتیں

(۱) **طلوع اسلام** ہر انگریزی مہینے کی یکم کو التزاماً شائع ہو جاتا ہے اور نہایت احتیاط سے حوالۂ ڈاک کیا جاتا ہے۔

(۲) رسالہ موصول نہ ہونے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک دیجئے ورنہ بعد میں شاید پرچہ موجود نہ ہو اور اگر موجود بھی ہوگا تو بلا قیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع ۲۵ تاریخ سے پہلے پہلے آنی چاہیئے۔

(۴) جس ماہ کی خریداری کا چندہ ختم ہو جاتا ہے اس مہینہ کے پرچے کے اندر ایک اطلاع جوابی کارڈ رکھ دیا جاتا ہے جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آنا چاہیئے۔

(۵) چندہ سالانہ پانچ روپیہ معہ محصول ڈاک ہے اور فی پرچہ ۸/ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) ہر رقم موصولہ (خواہ کسی ذریعہ سے موصول ہو) کی ایک رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۷) وی۔پی طلب کرنے کے بعد اسے وصول نہ کرنا ادارہ کو بلا جرم سزا دینے کے مرادف ہے۔

(۸) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پورا پتہ صاف لکھیے نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے۔

(۹) آپ اپنا تعارف **نمبر خریداری** کے ذریعہ سے ہی کرا سکتے ہیں اس لئے نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے ورنہ ہمیں بیجد وقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔

(۱۰) نمبر خریداری یاد نہیں رہا کرتا کہیں نوٹ کر چھوڑیئے۔

(۱۱) "**طلوع اسلام**" کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ بلکہ ملت اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے اس لئے اس سے اشتراک عمل اور معاونت ایک ملی خدمت ہے۔

(۱۲) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں۔ وَاللّٰہُ المستعان

(۱۳) نمونے کے پرچہ کے لئے ۸/ کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

(۱۴) تازہ پرچہ ۸/

ناظمِ

ادارۂ طلوع اسلام دہلی

Printed at the Jayyed Press, Delhi.
Published by Z. A. K. from Tulu-e-Islam Office, Delhi.